قیمت: چار روپے

انٹرنیشنل
ملی ٹائمز
نئی دہلی

اُردو کا پہلا بین الاقوامی ہفت روزہ

بوسنیا کے شہیدوں کو سلام
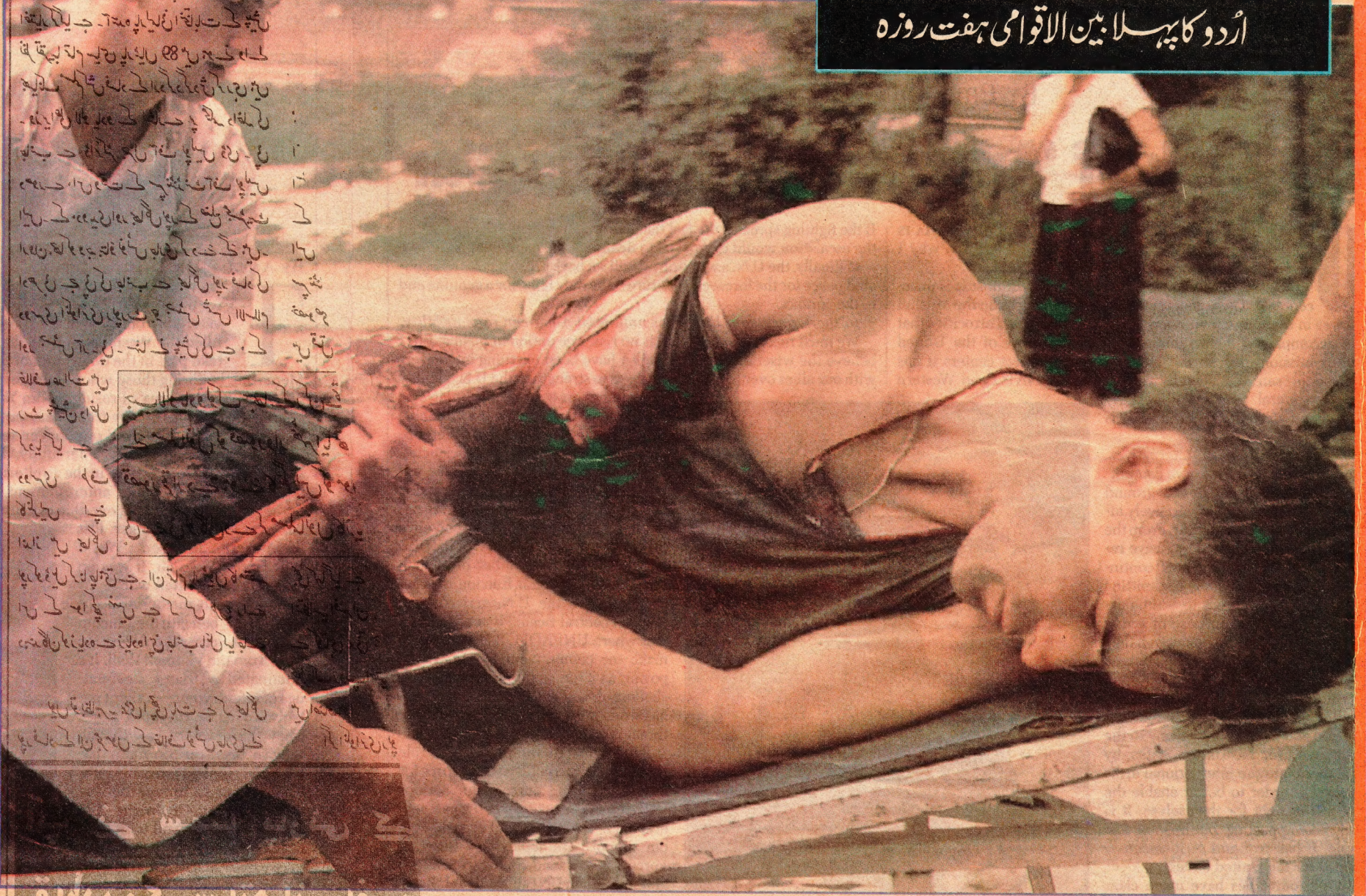
عراق اور حیدرآباد میں دامادوں کی بے وفائی سے

سیاسی اتھل پتھل
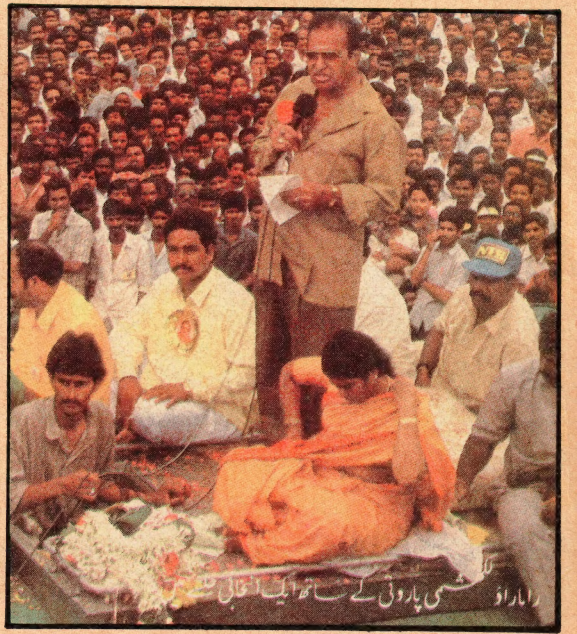
AUSTRALIA	A$ 3.50	DENMARK	D. KR. 14.00	ITALY	LIT. 3,000	NEW ZEALAND	NZ$ 4.95	SRI LANKA	Rs 40
BANGLADESH	Taka 20	FRANCE	Fr 10	JAPAN		NORWAY	N. KR 12.00	SWEDEN	Kr 15
BELGIUM	Fr 70	FINLAND	F. MK 10.00	KOREA	W 1.800	PAKISTAN	Rs. 15	SWITZERLAND	Fr 3
BRUNEI	B$ 4.50	GERMANY	DM3.50	MALAYSIA	RM 3.00	PHILIPPINES	P 25	THAILAND	B 40
CANADA	C$.3.50	HONG KONG	HK$ 15.00	MALDIVES	Rf 12.00	SAUDI ARABIA	SR 3	U.K.	60p.
CHINA	RMB 12.50	INDONESIA	RP 3,400 (INC.PNN)	NETHERLANDS	G 3.30	SINGAPORE	S$ 2.50	U.S.A.	$1.25

بھاگلپور فساد کے ذمہ دار تین افسران کے خلاف نوٹس سیاسی ڈرامہ تو نہیں

کیالالو یادو بھاگلپور کے مظلوموں کو انصاف دلانے میں مخلص ہیں

آج کل بہار کی سیاست میں بھاگل پور انتہائی اہمیت اختیار کرگیا ہے۔ آئندہ پارلیمانی انتخابات کے پیش نظر تقریبا تمام سیاسی پارٹیاں 89 میں ہونے والے بھیانک مسلم کش فساد کے ارد گرد گردش کررہی ہیں۔ وزیراعلی لالو یادو کے اشارے پر محکمہ داخلہ کی جانب سے ڈائرکٹر جنرل آف پولیس ڈی۔ پی دھورے، اس وقت کے سپرنٹنڈنٹ آف پولیس ایس۔ کے، دویدی اور بھاگل پور کے ضلع مجسٹریٹ ارون جھا کو وجہ بتاؤ نوٹس جاری کردئے گئے ہیں۔ ادھر بی جے پی کی جانب سے بھاگل پور فساد کی دوسری انکوائری رپورٹ جو جسٹس شمس الاسلام اور جسٹس آر۔ پی۔ سنہا نے پیش کی ہے، کے خلاف عدالت میں رٹ پٹیشن داخل کردیا گیا ہے۔ دوسری طرف کانگریس اپنے انداز میں بھاگل پور کو ڈیل کرنا چاہتی ہے۔ ان تمام پارٹیوں کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کس طرح رائے دہندگان کو زیادہ سے زیادہ اپنی جانب مائل کیا جائے

یوں تو بظاہر یہ بڑی اچھی بات ہے کہ بھاگل پور فساد کے ان مجرموں کے خلاف نوٹس جاری کئے گئے ہیں جنہیں فساد کا ذمہ دار گردانا گیا تھا۔ لیکن اس فہرست میں صرف یہی تین افسران نہیں ہیں بلکہ پولیس اور انتظامیہ کے 36 افسران کا نام شامل ہے۔ جن میں کنٹرول روم کے اے۔ ڈی۔ ایم، انچارج مکند مشرا، ایگزیکٹیو مجسٹریٹ سی۔ آر۔ مہرہ، سرجنٹ میجر اوم پرکاش، آفیسر انچارج مجاہد پور پولیس اسٹیشن کے۔ کے سنگھ، آفیسر انچارج ناتھ نگر پولیس اسٹیشن راجپوت پاٹھک، تاتار پور پولیس اسٹیشن کے اے ایس آئی شیو داس سنگھ، ناتھ نگر کے اے ایس آئی نریندر سنگھ، آر۔ این۔ جھا اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ آف پولیس آف ناتھ نگر پرہلاد کمار کا ذکر خصوصی طور پر ہے۔ ان میں سے کچھ کو مختلف گاؤوں میں قتل عام کا ذمہ دار گردانا گیا ہے۔ رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ دوسرے اور ایسے پولیس اور انتظامیہ افسران بھی ہیں جنہوں نے اپنی ذمہ داری سے کوتاہی برتی جس کے نتیجے میں فسادات نے خطرناک روپ اختیار کیا اور جن کی حرکتوں سے فساد میں اضافہ ہوا۔

اگر انکوائری رپورٹ کو بنیاد بنا کر نوٹس جاری کئے گئے ہیں تو صرف تین افسران کے خلاف کیوں ایسی کارروائی کی گئی جبکہ رپورٹ میں واضح طور پر 36 افسران کے نام درج ہیں۔ کچھ لوگوں کا الزام ہے کہ لالو یادو اس سلسلے میں مخلص نہیں ہیں، ورنہ وہ صرف تین افسران کے خلاف نوٹس جاری کروانے کے بجائے تمام مذکورہ افسران کے خلاف کارروائی کرتے۔ ان لوگوں کی دلیل ہے کہ جب لالو یادو لوک سبھا کے رکن تھے تو انہوں نے پارلیمنٹ میں بھاگل پور فساد کے لئے مسلمانوں کو قصوروار ٹھہرایا تھا اور بی جے پی کو پوری طرح بے قصور قرار دیتے ہوئے کانگریس کو مورد الزام ٹھہرایا تھا۔ لیکن اب وہ کانگریس اور بی جے پی کو گالی دے کر مسلمانوں کا زیادہ سے زیادہ ووٹ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لالو یادو نے اعلان کیا ہے کہ بھاگل پور کے مجرموں کو بخشا نہیں جائے گا اور سب کو قرار واقعی سزا دی جائے گی، لیکن محض تین افسران کو نوٹس جاری کردئے جانے سے لالو کی نیت کا پردہ فاش ہوجاتا ہے۔ ویسے لالو یادو اگر مخلص ہیں تو انہیں چاہئے کہ وہ نوٹس جاری کروانے کے بجائے رپورٹ کی بنیاد پر قصوروار افسران کو معطل کرکے ان کے خلاف فوری طور پر مقدمات درج کروائیں تاکہ انہیں ان کے کئے کی سزا دی جاسکے۔

> جب لالو یادو لوک سبھا کے رکن تھے تو انہوں نے پارلیمنٹ میں بھاگلپور فساد کے لئے مسلمانوں کو قصوروار ٹھہرایا تھا اور بی جے پی، وی ایچ پی کو پوری طرح بے قصور قرار دیتے ہوئے کانگریس کو مورد الزام ٹھہرایا تھا۔ لیکن اب وہ کانگریس اور بی جے پی کو گالی دے کر مسلمانوں کا زیادہ سے زیادہ ووٹ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

جہاں تک عوام کا تعلق ہے تو انہیں اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ حکومت قصورواروں کے خلاف کیا کارروائی کرتی ہے۔ متاثرین کا کہنا ہے کہ تمام سیاسی پارٹیاں اور سیاستداں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور یہ محض ڈرامہ بازی ہے۔ اگر حکومت ملزموں کو سزا دلوانے میں مخلص ہوتی تو انکوائری رپورٹ چھ سال کے بجائے اور جلدی ہی پیش کردی جاتی اور اب تک قصورواروں کو سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا گیا ہوتا۔ کچھ لوگ یہ سوال بھی اٹھاتے ہیں کہ رپورٹ میں بی جے پی، وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل کے جن لوگوں کا نام شامل ہے اور جنہیں قصوروار گردانا گیا ہے کیا ان کے خلاف بھی نوٹس جاری کیا گیا ہے اگر نہیں تو کیوں نہیں؟ ان لوگوں کو سزا کیوں نہیں دلائی جاتی۔

بھاگلپور کے ان مظلوموں کے زخموں پر مرہم کب رکھا جائے گا

پولیس اور انتظامیہ افسران کے ساتھ ساتھ وہ شرپسند عناصر بھی تو فساد کے ذمہ دار ہیں پھر انہیں کھلی آزادی کیوں حاصل ہے۔ بھاگل پور کے متاثرین کہتے ہیں کہ مجرم تو آج بھی کھلے عام گھوم رہے ہیں اور کسی کی جرات نہیں ہے کہ انہیں کچھ کہہ دے۔

بہرحال چھ سال کے بعد بھی بھاگل پور کے متاثرین اور مظلومین کے زخموں سے ٹیس جاری ہے اور روح فرسا یادیں آج بھی ان کا پیچھا کررہی ہیں۔

لالو یادو بھگوان ہو گئے ان کی پوجا ہونے لگی

لیجئے صاحب لالو یادو بھی بھگوان ہوگئے۔ اب ان کی بھی پوجا ہوتی ہے اور ان کی تصویر کے آگے دیوتاؤں کی مانند منتر پڑھے جاتے ہیں، اگربتیاں جلائی جاتی ہیں اور ان پر گنگا جل کا چھڑکاؤ کیا جاتا ہے۔ پہلے ان کی پوجا ہوتی ہے اس کے بعد ہی گنیش اور لکشمی جیسے دیوی دیوتاؤں کا نمبر آتا ہے۔ یہ مذاق نہیں حقیقت ہے۔ پٹنہ کے قلب میں واقع پلازہ ہیئر کٹنگ سیلون میں صبح کے وقت روزانہ لالو کی پوجا ہوتی ہے اس کے بعد ہی کٹنگ وغیرہ ہوتی ہے

دوکان کے مالک کا نام مہیندر ٹھاکر ہے۔ وہ پچھلے دنوں پٹنہ میں ہوئی لالو یادو کی نائی ریلی سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے لالو کو دیوی دیوتاؤں کے مقام پر لاکر بٹھا دیا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس نے ایسے چھ پنڈتوں اور پجاریوں کو بھی نوکری سے نکال دیا جو لالو کی پوجا کرنے کو تیار نہ تھے۔ بالآخر اسے پنڈت پھولن چترویدی نامی پجاری مل گیا جو روزانہ صبح آٹھ سے دس بجے کے درمیان آکر لالو کی پوجا کرتا ہے اور آرتی اتارتا ہے۔ یہ پجاری کانگریس کا حامی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ میں تو پیسے کے لئے پوجا کرتا ہوں۔ یہاں مجھے دوسری جگہوں سے زیادہ پیسہ ملتا ہے اس لئے میں لالو کی آرتی اتارتا ہوں۔ قابل ذکر ہے کہ لالو کی پوجا کرنے کے بعد ہی دوکان میں لگی گنیش اور لکشمی کی تصویروں کی آرتی کا نمبر آتا ہے۔ مہیندر ٹھاکر کا کہنا ہے کہ لالو ایسے دیوتا ہیں جو نہ صرف وعدہ کرتے ہیں بلکہ ان کو پورا بھی کرتے ہیں۔ میں شہرت کی خاطر ان کی پوجا نہیں کرواتا بلکہ میں تو ان کا بھکت ہوں اور اسی لئے ان کی آرتی اترواتا ہوں۔

پجاری لالو یادو کی تصویر کی آرتی اتارتے ہوئے

آپ نے سمتا پارٹی کے مسلم قائدین کے ساتھ انصاف نہیں کیا

سید شہاب الدین کا رد عمل

آپ کے تازہ شمارے میں سمتا پارٹی کے بارے میں آپ کا مضمون نظر سے گذرا۔ اس مضمون میں آپ نے سمتا پارٹی کے مسلم قائدین سے انصاف نہیں کیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی سے تال میل کی تجویز چند ارکان کی نجی اور غیر رسمی تجویز ہے جس پر اب تک پارٹی نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بھاجپا سے تال میل سمتا پارٹی کے بنیادی اصولوں اور اس کی قومی عاملہ کی تجویز کے یکسر منافی ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ قومی سیاست، بہار کے لیڈروں کی ذاتی دوستی اور دشمنی یا "لالو مخالف آئیڈیالوجی" کی بنیاد پر نہیں چل سکتی۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جب سے سازش کی بلی (بھاجپا کے نیتاؤں کی زبانی) تھیلے سے باہر آئی ہے، 14 بنیادی ارکان کی اکثریت نے اس کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔ خود میں نے وسط جون سے اب تک کم از کم تین پریس کانفرنسیں کی ہیں، وہ بھی پٹنہ میں۔ میں نے صدر کو لکھا ہے کہ وہ قومی عاملہ کی ارجنٹ نشست طلب کریں تاکہ بات صاف ہو اور پارٹی کی پالیسیوں کے خلاف بولنے والوں پر ضابطہ کی کارروائی کی جائے۔ ان تمام باتوں کے باوجود آپ کا مضمون یہ یقین دلانے کی کوشش کرتا ہے کہ ہم لوگ سب اس سازش میں شریک ہیں

ذمہ دار صحافت کا تقاضا ہے کہ جس کے خلاف کچھ لکھا جائے اس سے بات تو کرلی جائے۔

آپ سے گذارش ہے کہ اس خط کو نمایاں ڈھنگ سے شائع کرنے کی زحمت گوارا کریں۔

بقیہ: صدام حسین کے خاندانی جھگڑے

جنرل حسین کامل نے ایک پریس کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وہ دوسرے عراقیوں کے ساتھ مل کر صدام حسین کا تختہ الٹنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن عراقی اپوزیشن نے انہیں مسترد کردیا ہے کیونکہ بقول ان کے وہ مدت سے عراق کی "ظالم حکومت" کا دست و بازو رہے ہیں اور آج وہ صدام حسین سے خاندانی اختلاف کی وجہ سے منحرف ہوئے ہیں نہ کہ کسی نظریاتی اور ذہنی تبدیلی کی وجہ سے۔

سچائی یہ ہے کہ اس انحراف نے ایک طرف صدام حسین کے خاندانی نظام میں بڑھتے ہوئے اختلاف کو واضح کیا ہے اور دوسری طرف امریکہ کو اپنی مسلم دشمن بوسنیا پالیسی سے دنیا خصوصا عالم اسلام کی توجہ ہٹانے کا موقع فراہم کیا ہے۔ بلاشبہ اس سے بغداد حکومت کو دھچکا بھی لگا ہے لیکن کسی کو یہ خوش گمانی نہیں رہنی چاہئے کہ صدام حسین کو کسی قسم کا فوری خطرہ درپیش ہے کیونکہ جنرل حسین کامل کی نہ تو عراقی عوام میں کوئی ساکھ ہے اور نہ ہی عراقی اپوزیشن میں وہ مقبول ہیں۔ اس لئے وہ اپنی ذاتی حیثیت میں یا اپنے "اثرات" کی وجہ سے صدام حکومت کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہیں۔ غالبا یہی وجہ ہے کہ امریکہ کے برخلاف صدام مخالف خلیجی ریاستوں نے غیر ضروری یا غیر حقیقت پسندانہ جوش و خروش کا مظاہرہ نہیں کیا ہے۔

اسلام کی شمع جلائے رکھنے پر بوسنیا کے شہیدوں کو سلام

کیا ناٹو کا نام نہاد حملہ سرب بربریت کو روکنے میں کامیاب ہو جائے گا؟

بوسنیا کے دارالحکومت سرائیو کی سرزمین ایک بار پھر شہداء کے خون سے لالہ زار ہوگئی ہے۔ وہاں کے سب سے بڑے اور بھرے پرے بازار میں شہداء کی ایک اور یادگار قائم ہوگئی ہے۔ سرب درندوں کی لرزہ خیز بربریت کی ایک اور نشانی نصب ہوگئی ہے۔ سرائیو کا یہ مرکزی اور پرہجوم بازار آج شہر خموشاں کا منظر پیش کر رہا ہے۔ گذشتہ دنوں اس پر رونق بازار پر سرب ظالموں کی زوردار بمباری کے نتیجے میں 37 افراد شہید اور کم و بیش سو افراد زخمی ہوگئے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں فروری 1994ء میں بھی سرب درندوں کی بمباری ہوئی تھی اور جس میں 68 افراد شہید اور دو سو سے زائد زخمی ہوئے تھے۔ آج یہ مخصوص مقام شہداء کی یادگار میں تبدیل ہوچکا ہے یہاں ایک میز پر پھول سجا دیے گئے ہیں اور ایک سطری پیغام "سرائیو کے عزیزوں کو آخری سلام" درج کردیا گیا ہے۔ بارش سے بچاؤ کے لئے اسے پلاسٹک کور سے ڈھک دیا گیا ہے۔ اب یہ میز اور اس پر رکھے ہوئے پھول ہی بے قصوروں کی شہادت کی نشانی ہیں۔ شدید بارش کے سبب شہداء کا خون اور جسم کے ٹکڑے بہہ کر صاف ہوگئے ہیں۔ لیکن مسلمانان سرائیو کے دلوں میں جو زخم لگے ہیں انہیں نہ تو بارش کا پانی دھو سکتا ہے اور نہ ہی سربوں پر ہونے والی ناٹو کی نام نہاد بمباری سے ان پر مرہم پاشی کی جاسکتی ہے۔ یہ زخم تو اس وقت تک ہرے رہیں گے جب تک کہ سرب ظالموں کا قلع قمع اور بوسنیائی مظلوموں کے ساتھ انصاف نہیں ہوجاتا۔ کیونکہ یہ زخم صرف بوسنیائی مسلمانوں کے نہیں بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے دلوں میں ناسور کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔

آج بوسنیا کی جنگ نئے دور میں داخل ہوگئی ہے اور اسے فتح کرنے کی ذمہ داری صرف اور صرف مسلمانوں کے سر عائد ہوتی ہے۔ بوسنیا کی داستان دوسری عالمی جنگ کے بعد سب سے خوں چکاں داستان ہے اور اس داستان میں جہاں مغرب کی عیاری و مکاری کے مظاہرے ہیں وہیں اسلامی مملکتوں کے فرمارواؤں کی بے حسی کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ آج مغرب کا وقار بھی داؤ پر لگا ہوا ہے اور مسلمانان عالم کی غیرت و حمیت کا بھی امتحان ہورہا ہے۔ بوسنیا کی سرزمین میدان جنگ کے ساتھ ساتھ امتحان گاہ بھی بنی ہوئی ہے۔

مغرب نے اپنے وقار کی بحالی کے لئے سرب ٹھکانوں پر نام نہاد بمباری کا سلسلہ شروع کردیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ناٹو کا یہ حملہ 1949ء میں اس تنظیم کے قیام کے بعد سے لے کر اب تک کا سب سے بڑا حملہ ہے۔ حملہ رات میں دو بجے سے لے کر صبح 9 بجے تک مسلسل بمباری کی شکل میں ہوتا رہا۔ بوسنیا کی تاریخ میں یہ سب سے بڑا حملہ تھا۔ اقوام متحدہ کے ایک ترجمان کے مطابق یہ حملہ اس لئے کیا گیا تاکہ آئندہ سرب باغی بوسنیا میں حملہ کرنے کی جرات نہ کرسکیں۔ 60 بمبار طیاروں نے اٹلی کے نیپلس میں واقع اپنے اڈے سے اڑان بھری اور سرب باغیوں کے فضائی ٹھکانوں، میزائل اڈوں اور مواصلاتی نظام کو اپنا نشانہ بنایا۔ اس کے بعد گولہ بارود کے ذخیروں پر بم برسائے گئے۔ ناٹو کے ترجمان کے مطابق یہ حملے بہت کامیاب رہے لیکن اس نے یہ بھی اعتراف کیا کہ شروع کے کئی نشانے غلط ہوگئے اور پائلٹوں کی بے توجہی سے کئی حملے بے کار ہوگئے۔ ناٹو کے سکریٹری جنرل کا کہنا ہے کہ ہمارے حملے کا مقصد سرائیو اور اس کے اطراف میں "محفوظ" مقامات کو سربوں کی آئندہ بمباری سے بچانا ہے۔ یہ حملے ترلہ، گوراڈزے، موسٹار اور پیلے کے علاقوں میں کئے گئے۔

ایک طرف ناٹو اور اقوام متحدہ کے نمائندوں کا دعوی ہے کہ یہ حملے انتہائی کامیاب رہے لیکن دوسری طرف ایسی بھی اطلاعات ہیں کہ ان حملوں سے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ البتہ تھوڑا بہت مالی نقصان ضرور ہوا ہے۔ پیلے میں جو کہ سربوں کا گڑھ ہے ان حملوں سے نہ تو خوف و ہراس کا عالم ہے اور نہ ہی کسی نقصان کی کوئی اطلاع ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے پیلے کے باشندوں اور سرب فوج کے ذمہ داروں کو پہلے ہی اس حملے کی اطلاع مل گئی تھی۔ کیونکہ حملے کے بعد پیلے کی گلیاں سنسان تھیں وہاں نہ تو کوئی شہری نظر آرہا تھا نہ ہی فوجی ذمہ داران۔ ان لوگوں نے پہلے ہی علاقہ خالی کردیا تھا اور پہاڑیوں میں جاکر پناہ لے لی تھی۔ یہ کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ بقول ناٹو یہ اس کا اب تک کا سب سے بھیانک اور بڑا حملہ تھا لیکن اس کے نتیجے میں نقصانات کی کوئی اطلاع نہیں ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس حملے کے بعد پیلے اور دوسرے سرب ٹھکانوں پر چیخ و پکار مچ جاتی اور سرب درندے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوجاتے۔ آخر یہ کیسا "بھیانک حملہ" تھا جو رات کے دو بجے سے صبح 9 بجے تک ہوتا رہا اور باغیوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ جبکہ ایسا ہی حملہ امریکہ کی جانب سے عراق پر کیا گیا تھا اور بغداد شہر قیامت کا منظر پیش کرنے لگا تھا۔ کیا یہ حملہ دکھاوٹی اور نقلی تھا اور صرف دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے کیا گیا تھا؟

سرائیو کے بازار میں حملے کے بعد لاشوں کا منظر —— بوسنیائی مسلمانوں کا خون کب تک یوں ہی رائگاں لگاتار بہے گا؟

حقیقت تو یہ ہے کہ بوسنیا میں مغرب کا وقار بری طرح مجروح ہوگیا ہے۔ امریکہ اور اقوام متحدہ کی عزت داؤ پر لگ گئی ہے۔ بوسنیائی مسلمانوں کا ان پر سے اعتماد اٹھ گیا ہے اور وہ یہ سوچنے اور سمجھنے پر مجبور ہوگئے ہیں کہ سرب درندوں کی پشت پناہی یہی لوگ کر رہے ہیں۔ دیکھا جائے تو یہ حقیقت بھی ہے ورنہ اگر یہی حرکت بلکہ اس سے معمولی حرکت کسی مسلم ملک نے کسی عیسائی یا غیر مسلم ملک کے خلاف کی ہوتی تو اب تک مغربی طاقتیں مل کر اس کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کرچکی ہوتیں۔ لیکن درندوں کی بربریت کے سامنے مغرب امن تجاویز لے کر آتا ہے اور ایسی تجاویز جن میں ظالموں کی ناز برداری اور مظلوموں کے ساتھ ناانصافی کی شقیں ہوتی ہیں اور پھر بھی جارح سرب ان تجاویز کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہیں اور امریکہ، اقوام متحدہ اور مغربی طاقتوں کی امن کوششوں کو بوٹوں کی نوک پر رکھ کر اچھال دیتے ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ قیام امن کی ہر کوشش کے بعد سرب فوجی مسلمانوں کے کسی نئے علاقے اور کسی نئی بستی پر مزید خونخواری کے ساتھ حملہ کرتے ہیں۔ انسانیت کو شرمسار کرنے والے مظالم توڑتے ہیں۔ بچوں کو ذبح کر کے ماؤں کو ان کا خون، اور پیاس کی شدت میں مردوں کو اپنا ہی پیشاب پینے پر مجبور کرتے ہیں۔ ظالم سرب اپنی ہر حرکت سے امریکہ،

بقیہ صفحہ ۱۵ پر

بچوں کو ماؤں کی گود سے چھین کر فروخت کر دیا جاتا ہے

بوسنیا کے المیہ کا ایک اور کربناک باب

سربیائی درندوں کی ہوس کا نشانہ بننے والی بوسنیائی مسلمان خواتین کی دلدوز داستان کا ایک باب یہ بھی ہے کہ انہیں اپنی آبروریزی کے نتیجے میں ہونے والے بچے کی پیدائش اور اس کی پرورش پر مجبور کیا جاتا ہے کیونکہ وہ بچے سربیاؤں کے لئے آمدنی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ انٹرپول کو مطلوب 38 سالہ برطانوی شہری جون ڈیوس ان بچوں کو سربیاؤں سے خرید لیتا ہے۔ بوسنیائی عورتوں کے ناجائز بچوں کی اسمگلنگ کا اس نے ایک جال بچھا رکھا ہے جو امریکہ میں "جمعیۃ اولاد آدم" کے نام سے معروف ہے۔ وہ ان بچوں کو امریکی اور کنیڈین خاندانوں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ اس تجارت کا یہ جواز پیش کیا گیا ہے کہ یہ بوسنیا کی خانہ جنگی کے دوران یتیم ہونے والے بچوں کو ہلاکت سے بچانے کے لئے اٹھائے گئے اقدام کی ایک کڑی ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ جون ڈیوس کے امریکی سرکاری مشینری میں بااختیار افراد سے تعلقات ہیں۔ ابھی ایک سال پہلے جب رومانیہ نے اٹھائیس رومانی نژاد بچوں کی امریکہ منتقلی پر اعتراض کیا تھا تو اسی امریکی بااختیار حلقے کی طرف سے اسے یہ دھمکی دی گئی تھی کہ اگر وہ انسانی بنیادوں پر ان بچوں کو امریکہ منتقلی کی اجازت نہیں دے گا تو امریکی امدادات کے سلسلے میں اسے ملی ہوئی ترجیحی مراعات اور امریکہ کے ساتھ اس کی تجارت کا سلسلہ منقطع ہوجائے گا۔ حالانکہ امریکی سفارت کاروں نے اسٹیٹ آفس کو گوش گذار کردیا تھا کہ رومانی بچوں کی منتقلی منافع کمانے کی غرض سے بچوں کی اسمگلنگ سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے۔

ان بچوں کو جو بوسنیائی سپاہیوں کی ہوس رانی کا ثمرہ ہیں مظلوم عورتوں سے الگ کر کے کچھ دن ایک خاص جگہ پر رکھا جاتا ہے اور کھلا پلا کر انہیں تندرست بنایا جاتا ہے۔ اس کے بعد ہی انہیں خریدنے میں دلچسپی رکھنے والے امریکی خاندانوں کے سامنے لایا جاتا ہے۔

بوسنیا اور دیگر یوروپی ممالک سے بچوں کی ناجائز تجارت کے پھیلے ہوئے جال کا سرغنہ جان ڈیوس وہ مستند مجرم ہے جو کریڈٹ کارڈوں اور تعمیراتی قرضوں کی جعل سازی میں ملوث ہے اور اس پر کئی مقدمات چل رہے ہیں۔

ان بچوں کو جو بوسنیائی سپاہیوں کی ہوس رانی کا ثمرہ ہیں مظلوم عورتوں سے الگ کر کے کچھ دن ایک خاص جگہ پر رکھا جاتا ہے اور کھلا پلا کر انہیں تندرست بنایا جاتا ہے۔ اس کے بعد ہی انہیں خریدنے میں دلچسپی رکھنے والے امریکی خاندانوں کے سامنے لایا جاتا ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اگر کوئی امریکی خاندان کسی بچے کو متبنیٰ کی حیثیت سے اختیار کرنے کے سلسلے میں ضابطہ جاتی کارروائیوں کی تکمیل کے انتظار کی کلفت سے بچنا چاہے یا ان کی عمر مقررہ سرکاری حد یعنی پینتالیس سال سے تجاوز کرچکی ہو تو وہ ایک بچے کی قیمت تقریباً بیس ہزار امریکی ڈالر تک ادا کردیتا ہے۔

جان ڈیوس کی تجارت کا صدر دفتر رومانیہ کے ایک ضلع میں "بچوں کی آباد کاری کی خدمات" کے نام سے واقع ہے۔ اس کی ایک شاخ ہنگری میں بھی ہے۔ اس شخص نے رومانیہ اور ہنگری، مالدووا، مقدونیہ اور البانیہ میں طبی خدمات کے اداروں سے وابستہ افراد کی خدمات بھی اپنے نیٹ ورک کے لئے حاصل کرلی ہیں جو نہ صرف ایسے بچوں کی اسپتالوں اور دیگر جگہوں پر نگہداشت بھی کرتے ہیں بلکہ پیدائش کے بعد اپنے بچوں کو خود سے جدا کرنے پر آمادہ عورتوں کی تلاش اور نشاندہی بھی کرتے ہیں۔

جان ڈیوس کی سرگرمیوں اور اس کے طریقہ کار کا غائر مطالعہ کرنے والے افراد کا کہنا ہے کہ جان ڈیوس کی توجہ خاص طور پر ان حاملہ عورتوں پر مرکوز رہتی ہے جو بلقانی ممالک کی قدیم اقلیتوں سے تعلق رکھتی ہوں یا وہ جو نسلی صفائی کی مہم کا شکار ہوئی ہوں۔ تقریباً چھ ماہ قبل اسے زاغریب میں گرفتار کیا گیا تھا اور وہ بچوں کی ناجائز تجارت کے جرم میں دو ہفتے حراست میں رہا۔ اس پر بچوں کو زبردستی ماؤں سے الگ کرنے اور فروخت کرنے کا الزام تھا۔ تحقیقات مکمل ہونے تک کے لئے اسے رہا کردیا گیا تھا جس کے بعد سے وہ آزادانہ اپنے دھندے کو فروغ دے رہا ہے۔

دہلی میں شیو سینا کا قیام بی جے پی کے لئے پریشانی کا باعث

ہندوستان کا ہٹلر بننے کے لئے ٹھاکرے کی نئی چالیں

شیو سینا کا شیر مہاراشٹر میں اقتدار کے مزے لوٹنے کے بعد پہلی بار اپنی ماند سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ پورے ملک کو ایک ایسے جنگل میں تبدیل کر دینا چاہتا ہے جہاں صرف اسی کی حکومت ہو اور صرف اسی کا قانون چلے۔ بہ الفاظ دیگر شیو سینا مہاراشٹر کے بعد پورے ملک میں شیو شاہی قائم کرنا چاہتی ہے۔ اسے آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ بمبئی کا ہٹلر اب پورے ہندوستان کا ہٹلر بننا چاہتا ہے۔ گذشتہ دنوں بال ٹھاکرے نے کہا تھا کہ لوگ انہیں بمبئی کا ہٹلر کہتے ہیں جبکہ وہ اب تو مہاراشٹر کے ہٹلر ہیں۔ اپنے بیان میں انہوں نے یہ ٹکڑا بھی جوڑا تھا کہ میں نہ صرف ایک ریاست کا بلکہ پورے ملک کا ہٹلر بننا چاہتا ہوں۔ گویا ٹھاکرے نے اپنے دل میں چھپی وزارت عظمی کی خواہش کو اجاگر کر دیا۔ یہ بات الگ ہے کہ اسے انہوں نے اپنے انداز میں نئے قالب میں ڈھال کر پیش کیا ہے۔ ابھی اس بیان کو زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ دہلی میں شیو سینا کی شاخ کا باقاعدہ قیام عمل میں آگیا۔ اس موقع پر ایک میٹنگ کا انعقاد ہوا۔ جس میں منتظمین نے اسی لب ولہجے میں بات کی جس میں ٹھاکرے گفتگو کرتے ہیں اور جسے آگ اگلنا بھی کہتے ہیں۔

ابھی تو ٹھاکرے بمبئی ہی میں ہیں لیکن اب ان کے دہلی کے سفر کے امکانات کافی بڑھ گئے ہیں۔ قرول باغ کے حکیم اجمل خاں مارکیٹ میں شیو موہن بینڈ اور آزاد ہند بینڈ کے سائن بورڈوں کے سائے میں یہ میٹنگ ہوئی ۔ جس میں شیو سینا کے راجیہ سبھا رکن ستیش پردھان، لوک سبھا رکن موہن راولے اور سینا ٹریڈ یونین لیڈر رما کانت مورے نے خاص طور پر شرکت کی۔ اس موقع پر مذکورہ لیڈروں نے جی بھر کر مسلم دشمن بھڑاس نکالی اور کہا کہ دہلی میں ہمارا پہلا کام "پاکستانیوں" کو یہاں سے بھگانا ہے۔ کشمیر کے تعلق سے ستیش پردھان کا کہنا تھا کہ بال ٹھاکرے اگر اقتدار میں آجائیں تو سکنڈوں میں کشمیر کا مسئلہ حل کردیں گے۔ ان کے مطابق "گالی کے بدلے گولی" ہی کشمیر کا واحد حل ہے۔ دہلی یونٹ ٹریڈ یونین لیڈر ایشور دت شرما نے دھمکی آمیز انداز میں کہا کہ "پاکستانی درانداز و بھاگو۔ شیو سینا آرہی ہے" شرما نے اپنے سینکوں سے کہا کہ اگر دہلی میں پاکستانی کرکٹ ٹیم کھیلنے آتی ہے تو تم اسٹیڈیم اور کھیل کے میدانوں کو جلا کر راکھ کردو۔ مسٹر پردھان نے کہا کہ امرناتھ یاترا روکنے کا انتقام ہم حاجیوں سے لیں گے۔ ہم ان کا راستہ روکیں گے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ بال ٹھاکرے نے فخریہ انداز میں بابری مسجد انہدام کی ذمہ داری قبول کی۔ ان کے خیالات واضح اور کھلے ہوئے ہیں۔
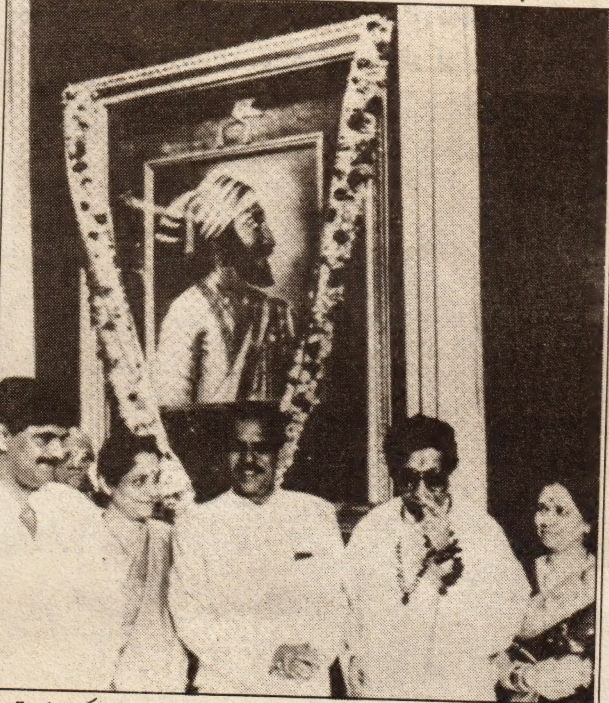
اس طرح دہلی میں بھی سینا کی فسطائیت کا بیج بو دیا گیا۔ دراصل ٹھاکرے کی نظر دہلی کی گدی پر ہے اور انہیں اس بات کا احساس ہے کہ مسلم دشمن پروپیگنڈہ کی بنیاد پر ہی وہ اس گدی پر قبضہ کرسکتے ہیں ۔ لیکن بی جے پی کی وجہ سے وہ ابھی ذرا جھجک رہے ہیں۔ کیونکہ دہلی تو بی جے پی کا گڑھ ہے اور بی جے پی اپنی موجودگی میں شیو سینا کو قدم جمانے کا موقع نہیں دے گی۔ یہی وجہ ہے کہ ٹھاکرے نے دہلی یونٹ کے قیام کے موقع پر دہلی آنا مناسب نہیں سمجھا۔ ابھی وہ اپنے غنڈوں کے ذریعے زمین ہموار کرنا چاہتے ہیں۔ اگر حالات سازگار رہے تو وہ دہلی آکر اپنی مقبولیت کو کیش کرانے کی کوشش کریں گے

بال ٹھاکرے کی آمد سے بلاشبہ بی جے پی کو پریشانی ہوگی۔ ویسے شیو سینا ابھی سے بی جے پی کو پریشان کرنے لگی ہے۔ ٹھاکرے نے پارلیمانی انتخابات کے پیش نظر اعلان کیا ہے کہ مہاراشٹر کی 48 سیٹوں میں سے 25 پر شیو سینا کے ایم پی ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اتنے پر کامیاب ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ انہیں پھر الیکشن لڑنے کے لئے اس سے زیادہ سیٹوں کی ضرورت ہوگی۔ اس بیان سے بی جے پی میں بوکھلاہٹ پیدا ہوگئی ہے۔ کیونکہ اگر ٹھاکرے نے سیٹوں کے مطالبے پر ضدی رویہ اختیار کرلیا تو اس سے بی جے پی کو ہی نقصان ہوگا۔

بہرحال ٹھاکرے ہندوستان کا ہٹلر بننے کا خواب برسوں سے اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہیں ۔ اب وہ دھیرے دھیرے اسے اجاگر کر رہے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ دہلی میں ان کی خطرناک سرگرمیاں کہاں تک کامیاب ہوتی ہیں ۔ اور کیا واقعی وہ ہندوستان کے ہٹلر بن جاتے ہیں۔

پریشد کا شعلہ بار متھرا پروگرام اپنی موت آپ کیوں مرگیا؟

کرشن جنم اشٹمی کے بخیر و خوبی گزر جانے پر مسلمانوں نے راحت کی سانس لی۔ کوئی ناخوشگوار واقعہ نہیں ہوا، شرپسندوں کی سازشیں پوری طرح فیل ہوگئیں۔ ورنہ فسطائی طاقتوں نے متھرا اور بنارس میں فرقہ واریت کی جو بارودی سرنگیں بچھادی تھیں ان کے پھٹنے کی صورت میں زبردست جانی و مالی نقصان ہوتا۔ لیکن یہ بارودی سرنگیں ٹھس کر کے رہ گئیں اور ماحول میں گرمی پیدا کرنے کی کوششوں کے باوجود فرقہ واریت کا درجہ حرارت اوپر نہیں چڑھ سکا۔ ویسے اس بار اجودھیا کی تاریخ دہرانا بھی مشکل تھا۔ کیونکہ ریاستی اور مرکزی حکومتیں مستعد تھیں اور وہ کسی بھی ناخوشگوار واقعہ کے حق میں نہیں تھیں کیونکہ اس صورت میں سب سے زیادہ نقصان انہی کا ہوتا۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ حکومتوں کی سخت روی کے نتیجے میں فرقہ پرست قوتیں ناکام ہوئیں۔ لیکن حقیقتاً ایسا ہے نہیں۔ حکومت کی سختی اپنی جگہ پر لیکن بی جے پی کی سیاسی مجبوریوں اور سنگھ پریوار میں آپسی خلفشار کے سبب یہ شعلہ بداماں ایشو اپنی موت آپ مرگیا۔

اگر اس پورے معاملے پر گہرائی سے نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ سنگھ پریوار کے لیڈروں اور وشو ہندو پریشد و بی جے پی کے رہنماؤں میں اس مسئلے پر زبردست اختلاف رائے رہا ہے۔ وشو ہندو پریشد نے متھرا میں وشنو مہایگیہ اور پریکرما کا اعلان تو کردیا تھا لیکن اس کے لئے نہ تو اس نے اپنے سرپرستوں سے اور نہ ہی بی جے پی کے کسی لیڈر سے کوئی مشورہ لیا۔ جس کا نتیجہ اس شکل میں برآمد ہوا کہ بی جے پی نے اس مسئلے سے اپنا پلو جھاڑ لیا اور محض تماشائی کی حیثیت اختیار کرلی۔ بی جے پی بی جے پی نے اپنی مجبوریوں کے سبب خود کو غیر جانبدار رکھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر اس سے ماحول گرم ہوتا ہے تو وہ فائدہ اٹھانے کے لئے آگے آجائے گی۔ ویسے وہ اس کے حق میں نہیں تھی۔ کیونکہ مرکزی حکومت کے تیور سے اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ مرکز یوپی میں صدر راج نافذ کرسکتا ہے۔ اگر ایسا ہوگیا تو یہ بی جے پی کے لئے خسارے کا سودا ہوگا۔ وہ مایاوتی حکومت کو پارلیمانی انتخابات تک کھینچ کر اس سے انتخابی تال میل قائم کرنا چاہتی ہے۔ جبکہ پریشد کا ساتھ دینے میں اسے خطرات لاحق تھے۔ وزیر اعظم بھی مایاوتی حکومت کو برخاست کرکے اجودھیا کا ازالہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن بی جے پی کی چالوں کے آگے ناکام ہوگئے ۔ مایاوتی نے اپنے طور پر انتظامی تیاری کرلی تھی انہوں نے ایک رات میں کم وبیش سو افسران کا تبادلہ کیا اور اہم مقامات پر شیڈولڈ کاسٹ افسران کو تعینات کرکے حالات کو اپنے قابو میں کرنے کی کوشش کی۔
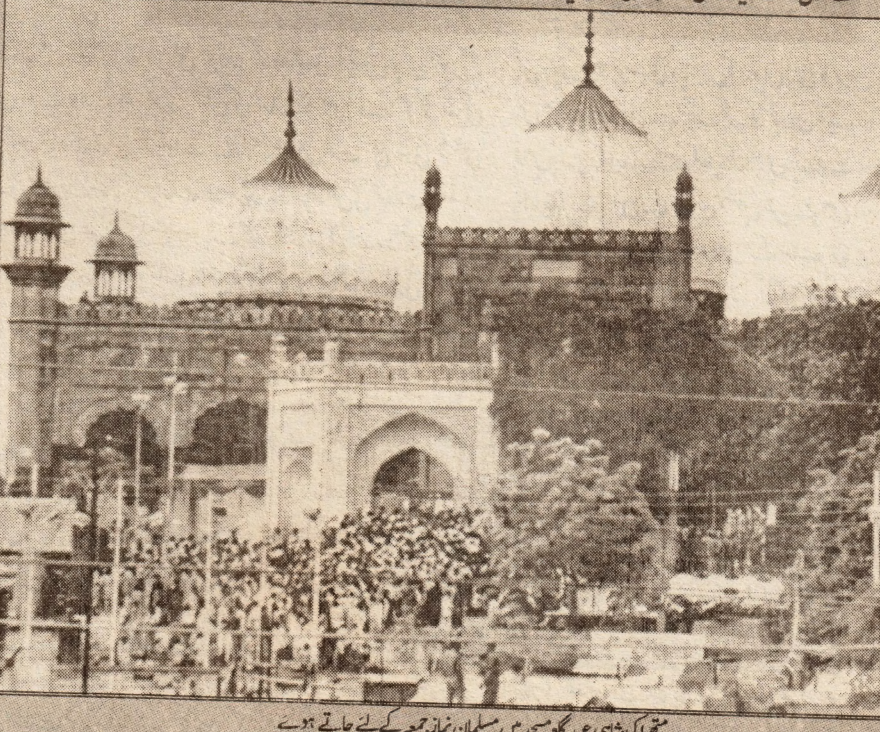
وشو ہندو پریشد نے پریکرما نہ کرنے اور یگیہ کی جگہ کو بدلنے کا فیصلہ بھی کئی وجوہات سے کیا۔ ایک تو اسے بھی بی جے پی کی مجبوری سمجھ میں آگئی۔ دوسرے سنگھ پریوار کی عدم رضامندی کی بھی لاج رکھنی پڑی۔ آر ایس ایس کا کے مرکزی لیڈروں کو اس کی شکایت رہی کہ ان سے مشورہ کئے بغیر اس کا اعلان کردیا گیا۔ اسی لئے یوپی حکومت سے گفتگو کے لئے کوئی بڑا لیڈر تیار نہیں ہورہا تھا۔ بعد میں جوشی اور ونے کٹیار نے ان سے گفتگو کی۔ مایاوتی نے وزیر اعظم سے بھی گفتگو کرلی تھی اور وزیر اعظم نے کوئی بھی انتہائی قدم اٹھانے کے لئے خود کو تیار کرلیا تھا۔

خیال ہے کہ سیاسی فائدہ اٹھانے کے بجائے فی الحال عوام کو اپنی مٹھی میں کرنا چاہئے۔ ادھر وشو ہندو پریشد میں بھی آپسی اختلافات کھل کر سامنے آگئے۔ پریشد کے جنرل سکریٹری آچاریہ گری راج کشور اور متھرا کے بی جے پی ممبر پارلیمنٹ کے اختلافات بھی دیکھنے کو ملے۔ پریشد کی خاتون ونگ کی جانب سے انہیں چوڑیاں بھی پیش کی گئیں۔ کیونکہ انہوں نے ذاتی اختلاف کی بنا پر یگیہ میں شرکت کرنے سے انکار کردیا تھا۔ ادھر یگیہ کے کنوینر اپنی سیاست چمکانا چاہتے تھے جبکہ علاقہ کے ممبر پارلیمنٹ انہیں ناپسند کرتے ہیں اور دونوں میں متھرا کے عوام پر گرفت قائم کرنے کی ہوڑ لگی رہتی ہے۔ اشوک سنگھل بھی اعلان کرکے غیر ملکی دورے پر چلے گئے۔ یگیہ استھل پر لے دے کر صرف ایک بڑے لیڈر آچاریہ گری راج کشور ہی دیکھے گئے۔ وہ بھی وہاں کے ایم پی کے خلاف خوب جی بھر کے بھڑاس نکالتے رہے۔

عوام میں بھی یگیہ اور پریکرما کے تعلق سے کوئی جوش نہیں تھا۔ لوگوں کی آمد پریشد کے لئے انتہائی مایوس کن تھی۔ دعوی کا پانچواں حصہ بھی وہاں نہیں پہنچا۔ یگیہ استھل بدلنے کی ایک وجہ یہ بھی رہی۔ کل ملاکر پریشد اور سنگھ پریوار کی آپسی دھڑے بازی اور سیاست بازی نے پریشد کے اس شعلہ بار ایشو کو اپنی موت آپ مرنے کے لئے مجبور کردیا۔

متھرا کی شاہی عید گاہ مسجد میں مسلمان نماز جمعہ کے لئے جاتے ہوئے

دامادوں کی سیاست سسرالیوں کی مصیبت

دامادوں کی بے وفائی سے بغداد اور حیدرآباد میں سیاسی اتھل پتھل

رپورٹ — سہیل انجم

کیا جاتا ہے کہ داماد سسرالیوں کے نزدیک بہت عزیز ہوتا ہے۔ لیکن اگر داماد کی حرکتیں سسرالیوں کا چین و سکون غارت کردیں تو پیار و محبت کے جذبات نفرت و دشمنی میں بھی بدل جاتے ہیں۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ دامادوں کی خواہش سسرال سے ہمیشہ کچھ نہ کچھ حاصل کرنے کی ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ اپنی بیٹی داماد کو خوش رکھنے کے لئے ان کی خواہشیں پوری بھی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اگر خواہشیں روپے پیسے اور اشیاء سے گزر کر تخت و تاج اور سلطنت و حکومت تک پہنچ جائیں اور داماد سسر کی بیٹی کا ہاتھ تھامنے کے ساتھ ساتھ جہیز میں اقتدار کی باگ ڈور بھی تھامنے کے عزائم ظاہر کردے اور عملی اقدام بھی کر بیٹھے تو معاملہ بہت سنگین ہوجاتا ہے۔ حالات اس درجہ کشیدہ ہوجاتے ہیں کہ سسر اور داماد کے درمیان تلواریں نکل آتی ہیں اور سنگینیں تن جاتی ہیں۔ کچھ ایسے ہی حالات سے آج کل صدام حسین اور این ٹی راما راؤ دوچار ہیں۔ دامادوں کی بے وفائی سے بغداد اور حیدرآباد کے سیاسی ایوانوں میں اتھل پتھل مچ گئی ہے اور سیاسی نقشہ تبدیل ہوکر رہ گیا ہے۔

صدام حسین کے داماد حسین کامل اور راما راؤ کے داماد چندرا بابو نائیڈو دونوں ہی اپنے سسر کے قریبی اور خاص رہے ہیں۔ دونوں نے تقریباً ایک ہی وقت میں علم بغاوت بلند کیا راما راؤ بغاوت کو کچلنے میں ناکام ہوگئے اور اپنے داماد سے چھڑی ہوئی سیاسی مہابھارت میں پسپا ہوکر اپنی کمین گاہ میں پناہ گزیں ہوگئے۔ لیکن صدام حسین راما راؤ کے مقابلے میں زیادہ جی دار ثابت ہوئے۔ انہوں نے سرعت سے نہ صرف اپنے خلاف بھڑکنے والی بغاوت کو کچل دیا بلکہ ایسے حالات پیدا کردئے کہ باغیوں کے سردار حسین کامل عراق سے بھاگ کر اردن میں سیاسی پناہ لینے پر مجبور ہوگئے۔ بہ حیثیت ایک ڈکٹیٹر کے ایسی بے شمار بغاوتوں کو کچلنے کا صدام کا تجربہ کام آیا اور فی الحال اقتدار کی باگ ڈور پر ان کی مستحکم گرفت قائم ہے۔ ہندوستان میں چونکہ جمہوریت ہے اور راما راؤ ڈکٹیٹر بھی نہیں ہیں اس لئے انہیں "عوامی دباؤ" کے سامنے جھکنا پڑا۔ صدام حسین کے دونوں داماد جو کہ سگے بھائی بھی ہیں اپنے اہل و عیال اور مبینہ طور پر بے شمار دولت کے ساتھ اردن میں ہیں جبکہ راما راؤ کے دونوں داماد (سگے بھائی نہیں ہیں) حیدرآباد ہی میں ہیں۔ ایک باغی داماد وزیراعلیٰ بن گئے ہیں۔ لیکن دوسرے داماد فی الحال اقتدار سے باہر ہیں۔ اطلاعات کے مطابق کچھ سیاسی اختلافات کی بنا پر چندرا بابو نائیڈو نے انہیں اپنی کابینہ میں نہیں لیا ہے۔ صدام حسین کے بیٹے عدی اس وقت اپنے باپ کے دست و بازو بنے ہوئے ہیں جبکہ راما راؤ کے باغی بیٹے ہری کرشنا کو کابینہ میں لے لیا گیا ہے۔ ان کے سات بیٹوں میں سے پانچ باغی خیمے سے تعلق رکھتے ہیں۔

صدام کا بیٹا اور داماد گلے ملتے ہوئے

نائیڈو حلف برداری کے وقت

"کوئی راما راؤ ہیں، دامادوں کے مسئلے پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں"

صدام حسین

بغاوت سے قبل 44 سالہ چندرا بابو نائیڈو راما راؤ کے معتمد سیاسی مشیر اور کابینہ میں اہم عہدے پر فائز رہ چکے ہیں۔ سیاسی تجربہ انہیں اپنے سسر سے زیادہ ہے۔ تیلگو دیسم بناکر سیاست میں راما راؤ کے آنے سے قبل سے ہی وہ سیاست میں ہیں۔ ان کے سیاسی عزائم دوران طالب علمی ہی سے ظاہر ہونے شروع ہوگئے تھے۔ تیلگو دیسم حکومت بننے سے پہلے وہ کانگریس حکومت میں دوبار وزیر رہ چکے تھے۔ ایک بار تو انہوں نے کانگریس کے ٹکٹ پر راما راؤ کے خلاف الیکشن لڑنے اور انہیں شکست دینے کا عزم بھی ظاہر کیا تھا۔ راما راؤ کی پارٹی کے قیام کے کافی دن بعد وہ اس میں شامل ہوئے جبکہ ان کے دوسرے داماد ڈاکٹر وینکٹیشور راؤ شروع سے ہی ان کے ساتھ رہے ہیں۔ وہ نائیڈو کے تیلگو دیسم میں آنے کے مخالف تھے انہیں اپنا سیاسی کیریئر تباہ ہوجانے کا خطرہ تھا لیکن راما راؤ نے ان کی اپیل نامنظور کرکے نائیڈو کو پارٹی میں شامل کرلیا۔ اور اب واقعی نہ صرف ونکٹیشور کا بلکہ راما راؤ کا بھی سیاسی مستقبل داؤ پر لگ گیا ہے۔ اقتدار میں آنے کے بعد نائیڈو نے رفتہ رفتہ پارٹی تنظیم پر اپنی گرفت مضبوط کرنی شروع کی اور کہا جاتا ہے کہ پارٹی کو مخلص اور محنتی کیڈر عطا کرنے میں ان کا زبردست رول رہا۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے اپنے سسر کے خلاف بغاوت کی تو پارٹی ورکرس نے راما راؤ کے بجائے ان کا ساتھ دیا۔

صدام حسین کے داماد کی سرگرمیاں بھی نائیڈو سے بہت حد تک مماثلت رکھتی ہیں۔ وہ نائیڈو سے تین سال بڑے یعنی 47 سال کے ہیں۔ وہ صدام حسین کے رشتے دار بھی ہیں۔ لیکن تجربے میں کمی اور ہندوستان سے مختلف نوعیت کی سیاسی صورت حال کے سبب ان کی بغاوت ناکام ہوگئی۔ البتہ انہوں نے عراقی عوام سے صدام حسین کا تختہ پلٹنے کی اپیل کی ہے۔ اسی اثناء میں صدام کے بھائی ابراہیم نے بھی علم بغاوت بلند کردیا ہے۔ حسین کامل کے چھوٹے بھائی صدام کامل المجید بغاوت سے پہلے تک صدام کے سیکورٹی گارڈ کے سربراہ تھے۔ نائیڈو نے پارٹی تنظیم پر اپنی گرفت مضبوط کی

بقیہ: صفحہ ۸ پر

ملی پارلیامنٹ پر قومی اخبارات کا جارحانہ حملہ

تحریر: نوراللہ حیدری

ہماری قومی صحافت کا مسلمانوں کے سلسلے میں جو رویہ رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ابھی حال ہی میں ہندوستانی مسلمانوں کی ملی پارلیامنٹ نے بوسنیا میں مسلمانوں پر ہورہے سربوں کے مظالم کو روکنے کے لئے ہندوستانی مسلمانوں کو بوسنیا کوچ کرنے کی ترغیب دی تو ہندوستانی میڈیا کا قدیم معاندانہ چہرہ کھل کر لوگوں کے سامنے آگیا۔ قومی اخبارات نے ملی پارلیامنٹ کے اس اقدام کے بارے میں نہ صرف یہ کہ گمراہ کن تبصرے کئے بلکہ بے سر پیر کے سوالات بھی اٹھائے۔ حالانکہ صحافی کا رول خبروں کا پیش کرنا ہوتا ہے نہ کہ وہ سماج کا مصلح ہوتا ہے۔

Asian Age نے اپنی خبر میں ملی پارلیامنٹ پر حملہ کرتے ہوئے اس پر ایک Radical تنظیم ہونے کا بہتان لگایا۔ اور قائد ملی پارلیامنٹ ڈاکٹر راشد شاذ کو ایک Selfstyle لیڈر قرار دینے پر اپنا سارا زور صرف کیا۔

EconomicTimes نے بوسنیائی مسلمانوں پر ہورہے ظلم و ستم کو نظرانداز کرتے ہوئے ملی پارلیامنٹ پر یہ الزام بھی لگایا کہ وہ لوگوں کے درمیان بالکل اسی طرح کا ہنگامہ برپا کر رہی ہے جس طرح جنگ خلیج کے دوران عراق جانے کے بارے میں لوگوں کو اکسا کر شور و ہنگامہ کیا گیا تھا۔ اور یہ کہ ملی پارلیامنٹ خواہ مخواہ مسلمانوں کی عالمی اخوت کا ڈھنڈورا پیٹ رہی ہے۔

سب سے زیادہ معاندانہ رویہ اردو میڈیا کا تھا۔ دہلی سے شائع ہونے والے روزنامہ قومی آواز نے تو لوگوں کو اس وقت حیرت میں ڈال دیا جب اس نے بوسنیائی مسلمانوں کی شہادت کو نظرانداز کرتے ہوئے ملی پارلیامنٹ کے خلاف مضمون اور خط شائع کیا۔ اخبار کے اس مضمون میں یہ سوال بھی اٹھایا گیا ہے کہ ہندوستانی حکومت اس سلسلے میں کیوں سرد مہری سے کام لے رہی ہے اور کیا وہ ہندوستان کی فضا کو بگاڑنا چاہتی ہے۔ اور اس مبارک قافلے کو اخبار نے "بے نام فوج" سے تعبیر کیا ہے۔ واضح رہے کہ قومی آواز کا ایڈیٹر ایک کشمیری برہمن ہے جس کا واحد مشن اس اخبار کے ذریعہ افتراق بین المسلمین کی کوششوں کو فروغ دینا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اخبار میں مسلمانوں کی عالمی برادری سے متعلق تمام خبریں معاندانہ انداز سے شائع کی جاتی ہیں اور تقاضائے صحافت کو نظرانداز کرکے مصلح کے رول کو ترجیح دیا جاتا ہے۔ ہندی اخبارات تو دور ہی سے آر ایس ایس کے ترجمان نظر آتے ہیں۔ ان کے یہاں مسلمانوں کا کوئی بھی مسئلہ ہو اس کا سرا پاکستان سے ضرور ملا ہوا ہوتا ہے۔ اور اس میں آئی ایس آئی کی کوئی گہری سازش نظر آتی ہے۔ خاص کر آر ایس ایس کا ترجمان "پانچ جنیہ" نے تو قائد ملی پارلیامنٹ کو اپنی "ہٹ لسٹ" میں شامل کر رکھا ہے۔ اسی طرح دوسرے ہندی اخبارات مسلمانوں سے متعلق پارلیامنٹ کی خبریں نہیں شائع کرتے ہیں یا پھر اپنے مخصوص تبصروں کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔ البتہ اس بارے میں ہندوستان ٹائمز کا رویہ بڑی حد تک معقول رہا ہے۔

قومی میڈیا کے اس معاندانہ رویے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس ملک میں مسلمانوں کے پاس ایسے موثر ذرائع ابلاغ نہیں ہیں جو لوگوں تک ان کی بات پہنچا سکیں کسی بھی زبان میں کوئی ایک ایسا اخبار نہیں ہے جو لوگوں کو مسلمانوں کی عالمی برادری کے سچے جذبے اور صحیح تصویر کو عام کرسکے۔ اب وقت آگیا ہے کہ امت کے سنجیدہ قسم کے لوگ اس سمت میں غور و فکر کریں اور ایسا موثر قدم اٹھائیں کہ لوگوں کے سامنے ہماری سچی تصویر آسکے۔ •••

صدام حسین کے خاندانی جھگڑے میں امریکہ کیوں کود پڑا

بوسنیا میں اپنی مسلم دشمن پالیسیوں سے دنیا کی توجہ ہٹانے کے لئے کلنٹن کا نیا ڈرامہ

بوسنیا کے تعلق سے اپنی مسلم دشمن پالیسی کی طرف سے توجہ ہٹانے کے لئے امریکہ ایک بار پھر عراق کے خلاف ہنگامہ کھڑا کرنے کی فکر میں ہے۔ صدام حسین کے دو دامادوں کا اردن میں سیاسی پناہ طلب کرنا زیادہ سے زیادہ ایک خاندانی معاملہ تھا جس سے بغداد کے حکمراں طبقہ میں اختلافات کی بھی نشاندہی ہوتی ہے۔ لیکن جو شخص بھی مغربی ایشیا کے حالات پر نظر رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ اس وقت عراق اردن کے خلاف کسی قسم کی فوجی کارروائی کی پوزیشن میں نہیں ہے لیکن اس کے باوجود امریکہ نے اخبارات اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ اپنے بعض بیانات سے علاقہ میں کشیدگی پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ پہلے بیان آیا کہ امریکہ اردن کے خلاف ممکنہ عراقی حملے کی صورت میں شاہ حسین کا دفاع کرے گا۔ حالانکہ اردن اور عراق دونوں نے کھل کر کہا کہ دونوں ملکوں کے درمیان اس واقعے کے بعد بھی کسی قسم کی کشیدگی نہیں پیدا ہوئی ہے لیکن اس کے باوجود امریکہ جنگ کا ماحول پیدا کرنے میں مصروف رہا۔ اس نے اپنے بعض فوجی کویت روانہ کئے۔ بعض بحری لڑاکا جہازوں کو علاقے میں رہنے کے ساتھ طیارہ بردار بحری جہاز روزولٹ کو اسرائیلی بندرگاہ حیفہ روانہ کردیا۔ امریکی وزیر دفاع نے عراق کو پہلے دھمکی دی، پھر اردن اور کویت کے ساتھ مشترکہ فوجی مشقوں کا اعلان کیا۔

بل کلنٹن نے بھی اس موقع پر غیرذمہ دارانہ بیانات جاری کئے۔ ان سب بیانات اور فوجی تیاریوں کا واحد مقصد یہ ہے کہ دنیا کی توجہ امریکہ کی ناکام بوسنیا پالیسی کی طرف سے ہٹا دی جائے۔ ظاہر ہے اس میں امریکہ کو ناکامی ہوئی ہے۔

8 اگست کو صدام حسین کے داماد جنرل حسین کامل، جو کچھ روز قبل وزیر صنعت کے عہدے سے ہٹا دئے گئے تھے، ان کے بھائی جن کا نام بھی صدام حسین ہے اور جو اپنے ہمنام صدر عراق کی سیکورٹی کے انچارج تھے، اپنی بیویوں اور بعض دوسرے رشتہ داروں اور افسروں کے ساتھ اچانک اردن پہنچ گئے اور سیاسی پناہ کی درخواست کردی۔ فوراً ہی صدام حسین کے بڑے صاحبزادے اردن پہنچے اور بہن بہنوئیوں کو عراق واپس لے جانے کی کوشش کی۔ لیکن اردن نے عراقی درخواست کو مسترد کرتے ہوئے جنرل حسین کامل اور دوسروں کو سیاسی پناہ دے دی۔ اس موقع پر ایک اسرائیلی اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے شاہ حسین نے عراق میں اقتدار کی تبدیلی کا بھی مطالبہ کیا۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اس واقعے سے فائدہ اٹھاکر شاہ حسین مغرب اور خلیجی ممالک سے اپنے تعلقات پھر سے استوار کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن شاید اس کے لئے انہیں بہت بھاری قیمت چکانی پڑے۔ کیونکہ انہیں عراق سے ہمیشہ کے لئے تعلقات خراب کرنا پڑیں گے۔ امریکہ شاہ حسین پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ اردن عراق سے معاشی و سفارتی تعلقات ختم کرلے۔ شاہ حسین بظاہر ابھی اس حد تک جانے کو تیار نہیں ہیں۔

جنرل حسین کامل عراق کے وزیر صنعت تھے انہیں کچھ روز قبل ان کے عہدے سے ہٹادیا گیا تھا۔ ان کے انحراف کے بعد صدام حسین نے ان پر کروڑوں ڈالر خردبرد کرنے کا الزام لگایا ہے۔ صدام حسین کی اس بات میں بھی وزن تھا کہ امریکہ حسین کامل سے اطلاعات حاصل کرنے کے بعد اسے نظرانداز کردے گا لیکن ان کا یہ کہنا غلط ہے کہ اس انحراف سے عراق پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ دراصل یہ حسین کامل ہی تھے جنہوں نے عراق کی جنگی مشینری تیار کی تھی اور ہتھیار بنانے کی ساری اسکیم بھی انہوں نے ہی بنائی تھی۔ اس لئے وہ عراق کے ہتھیاروں کے پروگرام کے بارے میں ہر تفصیل جانتے ہیں۔ جو وہ امریکہ اور اقوام متحدہ کو بتانے کے لئے بھی تیار نظر آتے ہیں۔ اسی اندیشے کے پیش نظر عراق نے خود ہی پیش کش کردی کہ وہ اب تک چھپائی گئی تفصیلات پیش کرنے کو تیار ہے۔ اس کے فوراً بعد رالف ایکیس جو اقوام متحدہ کی طرف سے عراقی ہتھیاروں کو ختم کرنے کے لئے مقرر کئے گئے ہیں، بغداد پہنچے جہاں واقعتاً عراق نے انہیں بعض ایسی معلومات فراہم کیں جو اب تک چھپائی گئی تھیں۔ ایکیس اس کے بعد حسین کامل سے بھی ملاقات کریں گے تاکہ مزید معلومات حاصل کرسکیں۔ اس دوران بعض امریکی افسران بھی حسین کامل سے مل کر معلومات حاصل کرنے میں مصروف ہیں۔

حسین کامل اور دوسرے عراقی افسروں کے انحراف اور اردن میں ان کے ذریعے سیاسی پناہ حاصل کرنے کو دراصل صدام حسین کے خاندانی اقتدار میں بہت بڑے شگاف سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ صدام حسین کے بڑے صاحبزادے بتدریج اقتدار پر اپنی گرفت مضبوط کرتے جارہے ہیں جس سے دوسرے رشتہ دار ناراض ہیں۔ جنرل حسین کامل کو وزارت صنعت سے اپنی برطرفی کے بعد اندازہ ہوا کہ انہیں ہمیشہ کے لئے خاموش بھی کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اس خطرے سے بچنے کے لئے انہوں نے اردن بھاگ کر سیاسی پناہ حاصل کرلی۔

جنرل حسین کامل اور ان کے بھائی دونوں ہی صدام حسین کے داماد ہیں اور ان کے ساتھ صدر عراق کی صاحبزادیاں بھی اردن میں موجود ہیں۔ عراق کا الزام ہے کہ ان خواتین کو ان کی مرضی کے برعکس اردن لے جایا گیا ہے اور یہ کہ انہیں اردن لے جانے سے پہلے دوا کے ذریعے بے ہوش کردیا گیا تھا۔ مگر خود صدام حسین کی صاحبزادیوں کی طرف سے ابھی تک کوئی بیان سامنے نہیں آیا ہے۔ لیکن ان خواتین کی کڑی نگرانی سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ غالباً انہیں ان کی مرضی کے خلاف اردن لے جایا گیا اور وہاں رکھا جارہا ہے۔

بقیہ صفحہ ۲ پر

ایران میں نسبندی آپریشن زوروں پر

علماء اور ائمہ کی جانب سے خاندانی منصوبہ بندی کے جواز کا فتویٰ

1979ء میں اسلامی انقلاب کے وقت ایران کی آبادی 3 کروڑ اسی لاکھ تھی۔ اور بہت تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ 1980ء کی دہائی کے ابتدائی سالوں میں ایران کی شرح پیدائش چار فیصد تھی۔ آج ایران کی آبادی 6 کروڑ سے زائد ہے۔ جس میں نوجوانوں کی تعداد زیادہ ہے۔ فطرتاً نوجوان شرح پیدائش میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔ لیکن ایران میں اس کے برعکس ہوا ہے۔ اس وقت شرح پیدائش گھٹ کر 1ء8 فیصد رہ گئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ایرانی مرد آج کل بھاری تعداد میں حکومت کی ایماء پر نس بندی کرارہے ہیں۔

اس ضمن میں ایک مغربی نامہ نگار نے حال ہی میں تہران کا دورہ کیا تھا جہاں اس نے دیکھا کہ جگہ جگہ عمل جراحی کے بغیر لیزر تکنیک سے نس بندی کے مراکز قائم ہیں جہاں لوگ لائن لگاکر اپنی باری کے انتظار میں کھڑے ہوئے دکھائی دئے۔ یہ تکنیک ایک جاپانی ڈاکٹر نے ایجاد کی ہے اور ایران میں کافی مقبول ہے۔ کیونکہ یہ غیر تکلیف دہ اور کم وقت لینے والا عمل ہے۔

> جگہ جگہ عمل جراحی کے بغیر لیزر تکنیک سے نس بندی کے مراکز قائم ہیں جہاں لوگ لائن لگاکر اپنی باری کے انتظار میں کھڑے ہوئے دکھائی دئے۔ یہ تکنیک ایک جاپانی ڈاکٹر نے ایجاد کی ہے اور ایران میں کافی مقبول ہے۔

ایران میں خاندانی منصوبہ بندی کا آغاز شاہ کے دور میں 1970ء کی دہائی میں ہوا تھا۔ امام خمینی کی پالیسی اس کے برعکس تھی۔ وہ شرح پیدائش پر کسی قسم کی پابندی کے خلاف تھے۔ لیکن 1980ء کی دہائی کے وسط میں بعض ڈاکٹروں اور سماجی ماہرین نے انہیں اپنے دلائل سے خاندانی منصوبہ بندی کے حق میں کرلیا۔ چنانچہ خود امام خمینی نے ایک بڑے ہی محتاط بیان کے ذریعہ اس کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد دوسرے علماء نے بھی بتدریج نس بندی اور خاندانی منصوبہ بندی کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا۔

امام خمینی اور دوسرے علماء کے فتاویٰ کی بڑے پیمانے پر تشہیر کی گئی۔ آج علماء کی ایک بہت ہی مختصر تعداد خاندانی منصوبہ بندی کی مخالف ہے اور ان کا اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔ علماء کی اکثریت کی رائے کی بنیاد پر حکومت نے بھی خاندانی منصوبہ بندی کی پالیسی اختیار کرلی ہے۔ سرکاری طور پر زور زبردستی نہیں کی جاتی لیکن مساجد کے امام اپنے خطبوں میں اس کی ترغیب دیتے ہیں۔ آج صرف اسقاط حمل ناجائز ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی کے بقیہ تمام دوسرے ذرائع ایران میں رائج ہیں۔

> صحت عامہ کے رضاکار اپنی کم تربیت کے باوجود کافی مقبول ہیں۔ ہر رضاکار شہروں اور گاؤوں میں کم از کم پچاس خاندانوں کو خاندانی منصوبہ بندی کی ترغیب دیتا اور نس بندی پر آمادہ کرتا ہے۔ بعض تو باقاعدہ مسجدوں اور فیکٹریوں میں اس کی تبلیغ کرتے ہیں۔

حکومت کی واضح پالیسی بغیر کسی لاگ لپیٹ کے کم بچے پیدا کرنے کی ہے اور اس ضمن میں اسقاط حمل کے علاوہ تمام طبی طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔ مقامی طبی مراکز پر اس سلسلے کی ساری چیزیں مفت دستیاب ہیں۔ کم از کم شہروں میں نوجوان بچوں اور بچیوں دونوں کو شادی سے پہلے ہی خاندانی منصوبہ بندی اور دوسری ضروری باتوں کے بارے میں "مشورہ" دیا جاتا ہے جو سرکاری طور پر لازمی ہے۔ صحت عامہ کے رضاکار اپنی کم تربیت کے باوجود کافی مقبول ہیں۔ ہر رضاکار شہروں اور گاؤوں میں کم از کم پچاس خاندانوں کو خاندانی منصوبہ بندی کی ترغیب دیتا اور نس بندی پر آمادہ کرتا ہے۔ بعض تو باقاعدہ مسجدوں اور فیکٹریوں میں اس کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ماہرین اور رضاکاروں کے موبائل دستے شہر کے باہری علاقوں اور گاؤوں میں گھوم گھوم کر لیزر تکنیک کے ذریعہ نس بندی کررہے ہیں۔ یہ طریقہ کافی کامیاب ہے۔ بعض گاؤوں میں تو ایک ہی دن میں پچیس ریزرویشن کئے جاتے ہیں۔

خاندانی منصوبہ بندی یا چھوٹے خاندان کے تصور کو ایرانیوں نے بڑی تیزی سے علماء کی ترغیب کے علاوہ معاشی فوائد کی وجہ سے بھی قبول کیا ہے۔ نس بندی کرانے والے کو کوئی رقم نہیں دی جاتی لیکن جس کے یہاں تیسرا بچہ پیدا ہوتا ہے اسے بہت سے خاندانی فوائد سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ گھر اور علاج کے لئے ملنے والی مراعات بھی ختم ہوجاتی ہیں۔ گویا علماء کی ترغیب اور معاشی مراعات کے حصول کی تمنا نے پورے ایران میں گذشتہ ایک دہائی میں خاندانی منصوبہ بندی کو انتہائی مقبول بنادیا ہے۔ خزستان کی عرب آبادی کو چھوڑ کر آج پورا ایران نس بندی کی دوڑ میں شامل نظر آتا ہے

لندن کے تاریخی چوک پر حزب التحریر کی تاریخی ریلی میں

مختلف مذاہب کی بے شمار طالبات نے اسلام قبول کرلیا

گذشتہ دنوں لندن میں ہونے والی حزب التحریر کی عظیم الشان ریلی نے برطانیہ میں اسلام مخالف طاقتوں کو بوکھلاہٹ میں بتلا کردیا ہے۔ برطانیہ کے سماجی ماہرین بھی اس کامیاب ریلی کے بعد کچھ پریشان سے نظر آرہے ہیں کیونکہ وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ لوگ تیز رفتاری سے اسلام کیوں قبول کررہے ہیں۔

یہ ریلی لندن کے مشہور تاریخی مقام ٹرافلگر اسکوائر پر ہوئی۔ لندن کی سیر کرنے والا ہر سیاح اس مقام پر حاضری ضرور دیتا ہے۔ موسم سرما میں دن کے وقت یہاں دنیا جہاں کے لوگ آپ کو مل جائیں گے۔ ممکن ہے اپنے پیغام کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کے لئے ہی حزب التحریر نے ریلی کے لئے اس مقام کا انتخاب کیا ہو۔ ریلی میں ایک اندازے کے مطابق ڈھائی سے تین ہزار لوگوں نے شرکت کی جن میں اکثریت مسلم نوجوانوں اور لڑکیوں کی تھی۔ ان میں سے بھی اچھی خاصی تعداد برطانوی یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم ہے۔ برطانوی معیار کے مطابق، جہاں دو چار سو لوگوں کو جمع کرنا بھی ایک مسئلہ ہوتا ہے، اتنی عظیم الشان ریلی کا انعقاد بجائے خود ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔

ریلی حسن انتظام اور اسلامی اقدار و اخلاق کا بہترین نمونہ تھی۔ پچاسوں نوجوان لڑکیاں اپنے سروں پر اسکارف باندھے خواتین شرکاء کے لئے انتظامات میں مصروف تھیں۔ اسی طرح نوجوان رضاکار بھی پورے اسلامی آداب کے ساتھ شرکاء ریلی کی خدمت میں مصروف تھے۔ حزب التحریر کا کارنامہ یہی ہے کہ اس نے برطانوی سماج اور دانشگاہوں میں اسلام سے بیگانہ مسلم نوجوانوں کو نہ صرف اسلام سے قریب بلکہ اس کا دیوانہ بنا دیا ہے۔ وہ نوجوان جو فرنگی تہذیب کے رنگ میں رنگ گئے تھے۔ رقص گاہوں اور شراب خانوں میں اپنی زندگی برباد کررہے تھے وہ اب اسلام کے علمبردار بن گئے ہیں۔ ان میں یہ تبدیلی حزب التحریر کی کوششوں سے آئی ہے۔

> دو ہندو لڑکیوں کے قبول اسلام سے برطانیہ کے ہندو لیڈر کافی ناراض اور پریشان ہیں اور انہوں نے باقاعدہ حزب التحریر کے خلاف معاندانہ مہم شروع کردی ہے۔

چونکہ فرنگی تہذیب میں رنگ جانے کے باوجود بھی برطانوی سماج نے انہیں قبول نہیں کیا تھا اور اس وجہ سے بھی کہ برطانوی نسل پرست اور ان کے دانشوروں کی ایک اچھی خاصی تعداد اسلام مخالف جذبات رکھتی ہے، اس لئے حزب التحریر کے بعض نوجوان بھی کافی جوشیلے انداز میں بلکہ کبھی کبھار جارحانہ رویہ اختیار کرکے مسئلہ پیدا کردیتے ہیں جسے بہانہ بناکر روایتی مسلم و اسلام دشمن طاقتیں ان کے خلاف پابندی کا مطالبہ کرتی رہتی ہیں۔ پہلے ہی حزب التحریر پر بہت سی برطانوی یونیورسٹیوں نے پابندی لگا رکھی ہے۔ اس کامیاب ریلی کے بعد بھی اس ذہنیت کے لوگوں نے اس پر پابندی کا مطالبہ شروع کردیا ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود حزب التحریر کی تحریک ایک سیلاب کی مانند بڑھتی اور پھیلتی جارہی ہے۔

ٹرافلگر ریلی میں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والی نوجوان خواتین نے اسلام قبول کیا۔ ان میں سے اکثر نے اپنے تاثرات کا فورا اظہار بھی کیا اور ریلی سے خطاب کرتے ہوئے اپنے قبول اسلام کی وجہ بھی بتائی۔ فطرتاً ایسے مواقع پر نئے نئے اسلام قبول کرنے والے جذباتی ہوجاتے اور اپنے سابقہ مذاہب پر جارحانہ تنقید کرنے لگتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسی تنقیدوں سے پرہیز کیا جائے کیونکہ دشمنان اسلام اسے بہانہ بناکر برطانیہ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنی سرگرمیاں تیز کرسکتے یا اوچھے ہتھکنڈے بھی استعمال کرسکتے ہیں۔

اسلام قبول کرنے والی زیادہ تر لڑکیاں عیسائی تھیں۔ لیکن ان میں دو ہندو بہنیں بھی شامل تھیں۔ منجولا بھاردواج نے اسلام قبول کرنے کے بعد ریلی سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "میں نے زندگی میں جتنے بھی فیصلے کئے یہ ان میں سب سے بہترین فیصلہ ہے"۔ ایک دوسری ہندو لڑکی جس نے اپنا نام وکی بتایا اس نے بھی اس موقع پر اسلام قبول کیا۔

دو ہندو لڑکیوں کے قبول اسلام سے برطانیہ کے ہندو لیڈر کافی ناراض اور پریشان ہیں اور انہوں نے باقاعدہ حزب التحریر کے خلاف معاندانہ مہم شروع کردی ہے۔ ایک ہندو اسکالر ڈاکٹر پریمن ادمی نے غصے سے کہا کہ "یہ برطانیہ کی رواداری (یا مذہبی آزادی) کا کھلا ہوا غلط استعمال ہے"۔ ایک انگریز کونسلر نے بھی اسے "راست اشتعال انگیزی" سے تعبیر کیا۔

بقیہ صفحہ ۱۲ پر

پیرس میں الجزائر کے اسلام پسندوں کے بم دھماکے

کیا فرانسیسی اور الجزائری حکومتیں کوئی سبق سیکھیں گی؟

گذشتہ دنوں پیرس کے ایک مقام پر جہاں شام کے وقت بیرونی سیاح کافی تعداد میں آتے ہیں، دوسرا بم دھماکہ ہوا جس میں 17 افراد زخمی ہوگئے جن میں 11 سیاح بھی تھے۔ پہلا دھماکہ پیرس کے ایک زیرزمین ریلوے اسٹیشن پر 25 جولائی کو ہوا تھا جس میں 17 افراد ہلاک اور 86 زخمی ہوگئے تھے۔ پہلے دھماکے کے بعد بھی الجزائر کے مسلح اسلامی گروپ نے دھماکے کی ذمہ داری قبول کی تھی اور اس بار بھی اس نے ایک اخباری نیوز ایجنسی کو فون پر اطلاع دی ہے کہ اس دھماکے کے پیچھے اس کا ہاتھ ہے۔ مسلح اسلامی گروپ فوجی حمایت سے قائم الجزائری حکومت کا شدید مخالف ہے اور حکومت کے خلاف پرتشدد کارروائیوں میں سب سے آگے ہے۔ یہ جماعت فوجی حکمرانوں سے کسی قسم کے مجھوتے کی مخالف ہے اور انہیں ہٹاکر ملک میں اسلامی نظام برپا کرنا چاہتی ہے۔ یہ جماعت عوام میں کہیں زیادہ مقبول اسلامی سالویشن فرنٹ کو کم متشدد ہونے کا طعنہ دیتی ہے۔

دونوں دھماکوں میں استعمال کے لئے بم ایک ہی جیسے تھے جن میں تین تین کار دھماکہ خیز مادہ استعمال کیا گیا تھا۔ آخری دھماکے کے بعد مسلح اسلامی گروپ کی جنرل کمانڈ کی طرف سے ایک نامعلوم شخص نے ایک اخباری ایجنسی کو فون پر اطلاع دی کہ یہ اس کی جماعت کا کارنامہ ہے۔ فون کرنے والے نے یہ بھی کہا کہ یہ دھماکے اس لئے کئے جارہے ہیں کیونکہ فرانسیسی حکومت ظالم و جابر الجزائری حکومت کی سب سے بڑی حامی ہے۔

پولیس کے مطابق ایک فرانسیسی شہری نے 17 اگست کے دھماکے کے ذمہ دار مشتبہ شخص کی شبیہہ تیار کرنے میں مدد دی ہے اور دعوی کیا ہے کہ اس نے ایک شخص کو کوڑے دان میں کچھ رکھتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کا یہ بھی دعوی ہے کہ وہ اس شخص کو دوبارہ دیکھے تو پہچان لے گا۔

دریں اثنا الجزائر کے حکمراں ملک میں نام نہاد صدارتی انتخاب کی تیاریاں کررہے ہیں۔ نئے من مانے قوانین کے مطابق آئندہ 2 اکتوبر تک امیدواروں کو اپنی امیدواری کا اعلان ان 75 ہزار لوگوں کے دستخطوں کے ثبوت کے ساتھ کردینا چاہیے جو ان کی امیدواری کی تائید کرتے ہیں۔ لیکن ممنوعہ اسلامی سالویشن فرنٹ کے ایک لیڈر انور حدام نے 16 نومبر کو ہونے والے صدارتی انتخاب کی مخالفت کی ہے اور کہا کہ ان کے مجاہدین اس انتخاب کو نہ ہونے دیں گے کیونکہ یہ ان کے بقول، الجزائر کے عوام کے خلاف ایک قدم ہے۔ واضح رہے کہ اسلامی سالویشن فرنٹ وہ پارٹی ہے جو جنوری 1992ء کے غیر قانونی طور سے رد کئے گئے عام انتخاب میں کامیابی کے دہانے پر کھڑی تھی مگر فوجی حکمرانوں نے فتح کا لقمہ ان کے منہ سے چھین لیا۔ اس کے بعد ہی فرنٹ مسلح اسلامی گروپ اور دوسری جماعتوں نے فوجی حمایت سے قائم حکومت کے خلاف مسلح جدوجہد شروع کردی جس میں اب تک 30 ہزار سے زائد افراد ہلاک ہوچکے ہیں۔

> اسلامی گروپ کی جنرل کمانڈ کی طرف سے ایک نامعلوم شخص نے ایک اخباری ایجنسی کو فون پر اطلاع دی کہ یہ اس کی جماعت کا کارنامہ ہے۔ فون کرنے والے نے یہ بھی کہا کہ یہ دھماکے اس لئے کئے جارہے ہیں کیونکہ فرانسیسی حکومت ظالم و جابر الجزائری حکومت کی سب سے بڑی حامی ہے۔

حال ہی میں الجزائر کے مجاہدین نے اپنی حکومت اور اس کے سب سے بڑے حامی فرانس کے خلاف اپنی سرگرمیاں تیز کرتے ہوئے کئی دھماکے کئے ہیں۔ لیکن ان واقعات سے صحیح سبق لینے کے بجائے دونوں حکومتیں ملک میں صدارتی انتخاب کا ڈرامہ رچنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔

حکومت کی اس کوشش کی مخالفت کرتے ہوئے انور حدام نے دنیا سے موجودہ الجزائری حکومت کے بائیکاٹ کی اپیل کی اور تمام ممالک سے درخواست کی کہ وہ اپنے سفیروں کو واپس بلالیں۔ حدام کا کہنا ہے کہ فوج کی حمایت سے قائم حکومت سے اب کسی قسم کا معاہدہ ممکن نہیں ہے کیونکہ وہ روم کانفرنس کی قراردادوں کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ واضح رہے کہ چند ماہ قبل روم میں تمام ہی اپوزیشن پارٹیوں نے الجزائر میں امن کے قیام کی خاطر موجودہ حکومت کے لئے ایک قسم کے مجھوتے کی پیش کش کی تھی جسے موجودہ حکمرانوں نے مسترد کردیا تھا۔ ابتداء میں سابق صدر فرانسس متراں روم کانفرنس کی تجاویز کے حامی تھے مگر بعد میں فرانسیسی حکومت نے بھی خود کو اس کانفرنس سے علیحدہ کرلیا تھا۔

انور حدام اسلامی سالویشن فرنٹ کی خارجہ پارلیمانی پارٹی کے ممبر ہیں اور اعتدال پسند ہیں۔ ان کی اعتدال پسندی مسلح اسلامی گروپ کو پسند نہیں ہے چنانچہ حدام کا نام بھی ان کی ہٹ لسٹ پر ہے۔ حدام الجزائر میں امن کے لئے سیاسی حل چاہتے ہیں لیکن موجودہ حکمرانوں اور فوج سے انہیں کسی مثبت اقدام یا ردعمل کی امید نہیں ہے۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ الجزائر میں برادرکش خوں ریزی کا سلسلہ جاری رہے گا جس کی سب سے زیادہ ذمہ داری موجودہ حکومت، فوج اور ان کی عوام مخالف پالیسیوں پر عائد ہوتی ہے۔

سانپ کے منہ سے نکلنے والی آگ سے پورا خطہ بھورا بھورا ہوجاتا ہے

ابلیس کے ہیڈ کوٹر کا انکشاف —— دوسری قسط

مثلث نمائے برمودا کا تعارف کراتے ہوئے ہم نے گذشتہ شمارہ میں ابلیس کے اس ہیڈکوارٹر کا جغرافیائی مقام بتانے کی کوشش کی تھی جہاں سے وہ روز اول سے اسلام مخالف کارروائیوں میں سرگرم ہے۔ ابلیس کے ہیڈکوارٹر کا انکشاف کوئی معمولی بات نہ تھی کہ اس طرح گویا ہم نے ابلیسی دنیا اور اس کے برپا کردہ نظام کفر پر ایک کاری وار کیا تھا۔ خاص طور پر ہم نے ابلیس کے اس رفیق کی ملاقات کا آنکھوں دیکھا حال اور سابق رفیق کی مفصل گفتگو کو پیش کرنے کا اعلان بھی کیا تھا۔ چونکہ ابلیس کے سابق رفیق نے جو چند ماہ قبل ہی ابلیس کی تابعداری سے بغاوت کرکے دمشق پہنچا تھا اس نے اپنی گفتگو میں بعض ایسے امور کا انکشاف کیا ہے جس کے منظر عام پر آنے سے دنیا کے موجودہ نظام کفر کی بہت سی اندرونی باتیں اور پوشیدہ راز وابستہ ہوگئے ہیں۔ اس لئے ملی ٹائمز کے اس اعلان سے ابلیسی دنیا اچانک خوفزدہ ہوگئی اور مسلسل ایسے عجیب و غریب واقعات پیش آنے لگے جس سے اس بات کا واضح عندیہ ملتا ہے کہ اپنے سابق رفیق کے اس انٹرویو پر پردہ ڈالنے میں ابلیسی دنیا کتنی سرگرم ہے۔ بعض بڑے اسٹال پر جہاں ملی ٹائمز ہزاروں کی تعداد میں فروخت ہوتا ہے اور جس کے فروخت ہونے میں کئی دن لگتے ہیں ملی ٹائمز کے گذشتہ شمارہ کے ساتھ عجیب بات یہ دیکھنے میں آئی کہ وہ اسٹال پر آتے ہی چشم زدن میں غائب ہوگیا گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انسانوں کی ایک منصوبہ بند بھیڑ ہو جس نے اچانک مختلف اسٹالوں سے ملی ٹائمز کا شمارے کچھ اس طرح غائب کردئے کہ مستقل قارئین تک اس کی کاپیاں نہیں پہنچ پائیں خود دفتر ملی ٹائمز اپنے ریکارڈ کی کاپی سے بھی محروم رہا۔ امریکی سرمایہ کاروں کا ایک معروف طریقہ ہے کہ جب وہ اپنی مصنوعات کے مقابلے میں آنے والی کسی چیز کو لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچنے سے روکنا چاہتے ہیں تو ان کے بڑے بڑے ایجنٹ ان تمام جگہوں سے چشم زدن میں کل کا کل سامان خرید لیتے ہیں تاکہ وہ چیز عوام کے ہاتھوں تک نہ پہنچ سکے۔ اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ کروڑوں کی مالیت کی خریدی ہوئی دوسری کمپنیوں کے پروڈکٹ سمندر میں غرق کردئے جاتے ہیں تاکہ یہ نئی چیز مارکیٹ میں اپنی بنیاد نہ بنا پائے۔

لگتا ہے کہ ملی ٹائمز کے گذشتہ شمارہ کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا اسٹال والوں سے پوچھنے پر پتہ چلا کہ وہ حیرت زدہ ہیں کہ ایسی پراسرار حرکت اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی کہ آنا فانا اخبار کی ہزاروں کاپیاں ان کے اسٹال سے غائب ہوجائیں یہ خریدار کون تھے ان کے چہرے بشرے انسانوں جیسے ہی تھے۔ لیکن کیا ان کا تعلق بھی ابلیس کے ہیڈکوارٹر مثلث نمائے برمودا سے جا ملتا ہے جو ملی ٹائمز کے اس انکشاف پر حد درجہ مضطرب ہے۔ خود دفتر ملی ٹائمز کو بھی ٹیلیفون پر اس سلسلے میں عجیب و غریب پراسرار پیغامات موصول ہوتے رہے لیکن ان سب دشواریوں کے باوجود ہم نے بھی تہیہ کر رکھا ہے کہ دنیا کے اس خطے میں ہونے والی پراسرار سرگرمیوں کا پردہ ضرور بالضرور چاک کرکے رہیں گے۔

> ہیڈ کوارٹر کے انکشاف پر ابلیسی دنیا میں بوکھلاہٹ۔ ملی ٹائمز کے شمارے اسٹال پر آتے ہی چشم زدن میں غائب

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ مثلث نمائے برمودا کوئی خیالی دنیا نہیں بلکہ ایک معروف جغرافیائی مقام ہے۔ البتہ ہم نے اس علاقے کے بارے میں کوئی نیا انکشاف کیا ہے تو صرف یہ کہ اس علاقے میں ہونے والی بے شمار پراسرار حرکتیں جس کے بارے میں جدید سائنس اب تک کوئی واضح جواب فراہم کرنے میں ناکام رہی ہے ہم نے اسے ابلیس کا مسکن قرار دے کر تقریباً دو صدیوں سے ہونے والی سائنسی تحقیق کی گتھی حل کردی ہے۔

اپنے اس خیال کی حمایت میں ہمارے پاس صرف ابلیس ملعون کے رفیق کا انٹرویو ہی نہیں ہے جو اس نے دمشق میں ملی ٹائمز کے نمائندہ کو دیا ہے بلکہ وہ تمام سائنسی تحقیقات بھی اس خیال کی تائید کرتی ہیں کہ مثلث نمائے برمودا میں سمندر کے پراسرار دھندلکے کے نیچے جو دنیا آباد ہے وہ کوئی اور دنیا نہیں ہے بلکہ ابلیس کا مرکزی دفتر ہے۔ ہوسکتا ہے اگر محض اس تفصیلی انٹرویو کو بنیاد بنایا جائے تو شاید بعض لوگ اسے محض ایک سنسنی خیزی سمجھ کر ٹال جائیں اسی لئے ہم ان سائنسی مشاہدات کو بھی آپ کے علم میں لانا چاہتے ہیں جواب تک کائنات کے دریافت کرنے والوں کے علم کا حصہ ہیں۔

جنت میں ابلیس کے داخل ہونے کی کہانی اگر آپ نے بائبل کے حوالے سے پڑھی ہے تو آپ نے اس سانپ کا تذکرہ بھی پڑھا ہوگا کہ جس نے باغ عدن میں داخل ہوکر آدم کو اپنے رب کی نافرمانی پر اکسایا تھا اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ مثلث نمائے برمودا میں جو مخلوق پانی کی تہوں پر کثرت سے تیرتی نظر آتی ہے وہ مچھلیاں یا دوسرے معروف آبی جانور نہیں بلکہ انتہائی مکروہ صورت پراسرار قسم کے سانپ ہیں۔ ان میں بعضوں کی لمبائی تو 72 فٹ تک جا پہنچتی ہے اور جب یہ سانپ پانی کی سطحوں پر چلتے ہوتے ہیں اپنے منہ سے آگ اگلتے ہیں تو ارد گرد کی فضا کا رنگ بھورا بھورا سا ہوجاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس علاقے کے دور کے مشاہدے سے بھی سطح آب پر ہونے والی عجیب و غریب حرکات سے واضح احساس ہوتا ہے کہ پانی کی اس سطح کے نیچے ایک ایسا شہر آباد ہے جو عجیب و غریب اور پراسرار سرگرمیوں کی آماجگاہ ہے۔ پھر اس علاقے میں بعض اوقات ایسی تیز لہریں اور ایسا طوفان بپا ہوتا ہے جس سے اس کا واضح اشارہ ملتا ہے کہ سمندر کی تہوں کے نیچے آبی جانور نہیں بلکہ کوئی انتہائی پراسرار مخلوق اپنا اڈہ جمائے ہوئے ہے۔ مزید یہ کہ سمندر کی زیریں تہیں مسلسل بدلتی رہتی ہیں۔ آگ اور پانی کے عجیب و غریب طوفان میں اب تک بے شمار جہاز تباہ ہوچکے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض جنگی جہازوں نے جب پرواز کے ذریعہ اس علاقے کا قریب سے مشاہدہ کرنے کی کوشش کی تو ابلیسی کارندوں نے اسے بھی غڑاپ سے سمندر کی جانب کھینچ لیا۔ اس لئے کہ ابلیسی دنیا یہ نہیں چاہتی کہ کسی بھی قیمت پر عام انسانوں کو اس کے ہیڈکوارٹر کا پتہ لگ جائے۔ اگر ایسا ہوگیا تو ابلیس اپنی کمزوریوں سے خوب واقف ہے اسے معلوم ہے کہ اپنی ساری اکڑفوں اور کفر کی منظم قوت کے باوجود وہ اللہ کے نیک بندوں سے مقابلہ کی تاب نہیں لاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس طرف رخ کرنے والے ہر جہاز کو خواہ وہ سمندری جہاز ہو یا ہوائی جہاز ابلیسی ہاتھوں نے پانی میں غرق کردیا یہاں تک کہ اس خطے کو جہازوں کا قبرستان بھی کہا جانے لگا۔ لیکن ابلیس آخر کب تک اپنی خیر مناتا

> بعض اوقات ایسی تیز لہریں اور ایسا طوفان بپا ہوتا ہے جس سے اس کا واضح اشارہ ملتا ہے کہ سمندر کی تہوں کے نیچے آبی جانور نہیں بلکہ کوئی انتہائی پراسرار مخلوق اپنا اڈہ جمائے ہوئے ہے۔

بالآخر صدیوں کے اس راز سے اس کے ایک قریبی باغی رفیق نے پردہ اٹھا دیا۔ آج مثلث نمائے برمودا میں یہ مسئلہ سب سے زیادہ گفتگو کا موضوع ہے کہ اس انکشاف سے پیدا شدہ خطرات کا مقابلہ کیسے کیا جائے۔؟ (مزید تفصیلات آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیے)

قارئین اور ایجنٹ حضرات سے

الحمدللہ ملی ٹائمز نے ایک سال سے زائد کی مدت بخیر و خوبی پوری کرلی ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ اسے ایک منفرد اور مثالی اخبار بنائیں۔ ملی ٹائمز نے اپنی ایک شناخت اور پہچان بنائی ہے۔ کوئی دوسرا اخبار اس وقت اس کے پایے کا نہیں ہے۔ ہم نے اسے امت کی امنگوں اور آرزوؤں کا سچا ترجمان بنانے کی کوشش کی ہے۔ لغزشوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی کی ہے۔ ماضی کی غلطیوں سے حال کو خوش آئند بنانے کی تلقین کی ہے۔ امت کے خلاف ہونے والی سازشوں سے خبردار کیا ہے۔ ہم نے سچی اور بیباک صحافت کی روش کو اپنایا ہے اور مصلحتوں سے دامن نہیں چرایا۔ اس دوران آپ کا ہمیں جس طرح تعاون ملا ہے اور جس طرح آپ نے ہماری پذیرائی کی ہے اس سے ہمیں بڑا حوصلہ ملا ہے۔

لیکن گذشتہ ایک سال سے کس طرح ہم یہ اخبار نکال رہے ہیں، مسائل سے کس طرح نبرد آزما ہیں بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ اخبار تجارت کی غرض سے نہیں نکالا جارہا ہے بلکہ ایک مشن اور تحریک ہے۔ لاگت سے بھی کم پر ہم اخبار آپ کو پیش کررہے ہیں۔ لیکن مسلسل خسارہ زیادہ دنوں تک ادارہ برداشت نہیں کرسکتا۔ آپ کے بھرپور تعاون کی ضرورت ہے۔ اس لئے ہم نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی قیمت میں ایک روپے کا معمولی اضافہ کرنے پر مجبور ہیں۔ لہٰذا نومبر 1995ء سے ملی ٹائمز کی قیمت پانچ روپے ہوگی۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ ملی ٹائمز جاری رہے آپ کے احساسات و آرزوؤں کی ترجمانی کرے، کھری اور سچی صحافت کی راہ پر گامزن رہے تو اس کے ساتھ تعاون کیجئے اور اس کی توسیع و اشاعت میں بھرپور حصہ لیجئے۔ اسے گھر گھر پہنچایئے۔ نئے خریدار فراہم کیجئے۔ نئی ایجنسیاں قائم کروایئے۔

(ادارہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل)

بقیہ: دامادوں کی سیاست سسرالیوں کی مصیبت

توحسین کامل نے ہتھیاروں کے میدان میں عراق کے ایک طاقتور ملک کی حیثیت سے ابھرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی کوششوں ہی کے نتیجے میں 80 کے دہے میں صدام حسین عرب ممالک کے ہیرو تصور کئے جاتے تھے۔ اطلاعات کے مطابق عراق کے بہت سارے اسلحوں کو اقوام متحدہ کی ٹیم سے پوشیدہ رکھنے میں ان کا اہم رول تھا لہٰذا صدام کو اب یہ خطرہ لاحق ہوگیا ہے کہ حسین کامل امریکہ اور اقوام متحدہ کو اس سلسلے میں تمام تفصیلات سے آگاہ کردیں گے۔ اسی لئے عراق خود کہنے لگا ہے کہ حسین کامل ہی عراق کے اسلحوں کو چھپاتے رہے ہیں۔ کامل جب اردن پہنچے تو شاہ حسین نے اپنے محل میں ان کا خیر مقدم کیا اور سیاسی پناہ دینے کا اعلان کیا۔

راماراؤ اور ان کے دامادوں میں اختلاف کی بنیاد راماراؤ کی بیوی لکشمی پاروتی کی پارٹی اور حکومت کے معاملات میں بڑھتی ہوئی بے جا مداخلت بنی جبکہ صدام حسین اور ان کے دامادوں میں اختلافات کی بنیاد صدام کے بڑے بیٹے کی حکومت پر سخت ہوتی ہوئی گرفت بنی۔ صدام حسین کے بیٹے اور داماد میں زبردست اختلافات پیدا ہوگئے تھے۔ گذشتہ دنوں ایران عراق جنگ کے خاتمے کی ساتویں سالگرہ پر منعقد ہونے والی ایک تقریب میں اچانک فائرنگ ہوئی اور صدام کے بھائی (جو کہ اس وقت باغی خیمے میں ہیں) کے پیر میں گولی لگی۔ اسے ایک اتفاقی حادثہ قرار دیا گیا لیکن اردنی ذرائع کے مطابق یہ حسین کامل پر عدی کا قاتلانہ حملہ تھا جسے دبا دیا گیا۔

> راماراؤ اور ان کے دامادوں میں اختلاف کی بنیاد راماراؤ کی بیوی لکشمی پاروتی کی پارٹی اور حکومت کے معاملات میں بڑھتی ہوئی بے جا مداخلت بنی جبکہ صدام حسین اور ان کے دامادوں میں اختلاف کی بنیاد صدام کے بڑے بیٹے کی حکومت پر سخت ہوتی گرفت بنی۔

جب حسین کامل اپنے بھائی بھاوج اور بچوں کے ہمراہ اردن چلے گئے تو عدی نے جاکر انہیں مبینہ طور پر منانے کی کوشش کی۔ شاہی محل میں جب ان دونوں کا آمنا سامنا ہوا تو عدی نے اپنے بہنوئی کی تذلیل کرنی شروع کردی جس پر شاہ حسین حسین کامل کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکال لے گئے۔ عدی نے تنہائی میں پہلے بہنوئی اور پھر بہنوں سے ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کی لیکن اس اندیشے کے پیش نظر کہ وہ پتا نہیں کیا کر بیٹھے ملنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ بہرحال حسین کامل نے عراقی عوام سے "نئی تبدیلی کے لئے تیار" رہنے کو کہا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ جلاوطنی سے ہی صدام حسین کے خلاف کوئی بڑی بغاوت کریں اور ان کا تختہ پلٹ دیں کیونکہ بہرحال مغربی طاقتیں ان کے ساتھ ہیں۔

ایک داماد نے اپنے سسر کو سیاسی مات دے کر اقتدار کی باگ ڈور ان سے چھین لی ہے دیکھنا یہ ہے کہ دوسرا داماد اس میں کب اور کیسے کامیاب ہوتا ہے۔ سردست صدام حسین کے قلعہ کی مضبوط فصیل میں شگاف پڑ گیا ہے۔ آنے والا وقت بتائے گا کہ یہ شگاف پر ہوجاتا ہے یا مزید وسیع ہوکر ان کے اقتدار کے خاتمے کا سبب بن جاتا ہے۔

اسلامی سزائیں وحشیانہ اور غیر انسانی ہیں

کوئی بھی مہذب معاشرہ انہیں قبول نہیں کرسکتا

آر ایس ایس کے ترجمان "پانچ جنیہ" میں مظفر حسین کی ہرزہ سرائی

آر ایس ایس کا ہندی ترجمان "پانچ جنیہ" اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے زہر افشانی کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اس کا کوئی شمارہ ایسا نہیں ہوتا جس میں مسلمانوں کے خلاف زہر نہ اگلا گیا ہو۔ لیکن پریس کونسل اسے اس پر کوئی تنبیہہ نہیں کرتی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بے خوف و خطر مسلم دشمن پروپیگنڈہ میں مصروف رہتا ہے۔ اس وقت چونکہ ملک میں یکساں سول کوڈ پر بحث چھڑی ہوئی ہے اور بی جے پی نے اسے انتخابی ایشو بنانے کا اعلان کیا ہے۔ اس لئے پانچ جنیہ نے بھی اسے اپنا خاص موضوع بنایا ہوا ہے۔ 20 اگست کا اس کا شمارہ جو کہ ماہانہ ہے، مسلم دشمن زہر افشانی کے لئے وقف ہے۔ یہ خصوصی شمارہ "اسلام اور قومیت" کے موضوع پر ہے۔ آر ایس ایس کا نظریہ قومیت کیا ہے اس کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی لئے اس شمارے میں اسلام کو ہندوستانی قومیت کی راہ میں سب سے بڑا روڑہ قرار دیا گیا ہے۔ اسی شمارے میں "ہندوستان بچانا ہے تو یکساں سول قانون نافذ کرنا ہوگا" کے عنوان سے مظفر حسین کی ایک خطرناک تحریر بھی شائع ہوئی ہے جس میں یکساں سول قانون کی وکالت کرتے ہوئے اسلام پر اوچھے حملے کئے گئے ہیں۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے اس مضمون کو اختصار کے ساتھ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

کسی بھی ملک اور معاشرے میں قانون کی ضرورت اس لئے پڑتی ہے کہ وہ شہریوں کے درمیان اتحاد اور برابری پیدا کرسکے۔ جمہوریت میں کوئی بھی شخص قانون سے بالاتر نہیں ہے۔ ملک کے اتحاد و یک جہتی کو قائم رکھنے کے لئے سب سے طاقتور ہتھیار قانون ہے۔ اس لئے اس پر عمل کرنا ہر شہری کا فرض ہے۔ عوام اسے اسی وقت تسلیم کریں گے جب وہ یکساں طریقے سے سبھی شہریوں پر نافذ کیا جائے۔

مذہب کے نام پر پیدا کئے گئے نام نہاد اقلیت اپنی شناخت کے لئے "پرسنل لاء" ضروری سمجھتے ہیں۔ اگر ان کی نگاہ میں ملک کی جگہ پر ان کا مذہب عظیم ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جن کے مسلکوں اور فرقوں پر مبنی قوانین کو ہماری پارلیمنٹ نے رد کردیا ہے ان کے قانون یا تو دوسرے درجے کے ہیں یا پھر ان کی شناخت غیر ضروری ہے۔ ایسی غیر منصفانہ صورت حال میں اقلیت یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے نزدیک ملکی یکجہتی ضروری ہے تو آپ ہمارے قوانین کو تسلیم کرکے ملک میں اتحاد پیدا کرلیں۔ لیکن ہندوستان کا اکثریتی سماج اگر ہندوستان کے اقلیتی فرقے کے قوانین پر عمل کرنے لگے گا تو ملک میں کیسی افراتفری ہوگی اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ہر شہری چار چار شادیاں کرے گا بڑی آسانی سے طلاق دے سکے گا اور آبادی میں جو اضافہ ہوگا اس کا تو حساب ہی نہیں لگایا جاسکے گا۔ اگر اکثریت اقلیت کے قوانین پر عمل پیرا ہوجائیں تب بھی اتحاد کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

لیکن ہندوستان کا اکثریتی سماج اگر ہندوستان کے اقلیتی فرقے کے قوانین پر عمل کرنے لگے تو ملک میں کیسی افراتفری ہوگی اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ہر شہری چار چار شادیاں کرے گا بڑی آسانی سے طلاق دے سکے گا اور آبادی میں جو اضافہ ہوگا اس کا تو حساب ہی نہیں لگایا جاسکے گا۔

اس کا سب سے بڑا ثبوت خود اقلیتوں کی طرف سے ادھوری شریعت کو نافذ کرنا ہے۔ پاکستان سمیت کسی بھی اسلامی ملک نے اسلام کے فوجداری قانونوں کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ ہندوستان کے مسلمان بھی کبھی شریعت کی فوجداری دفعات کو نافذ کرنے کی بات نہیں کرتے۔ سلام میں فوجداری قوانین پر مبنی سزائیں اتنی غیر انسانی اور وحشیانہ ہیں کہ آج کی دنیا میں رحم و مروت اور انسانی حقوق کی بات کرنے والا کوئی بھی معاشرہ انہیں تسلیم نہیں کرسکتا۔ اس لئے مسلمان یا تو مکمل شریعت کی بات کریں ورنہ یکساں سول قانون کی چھتری کے نیچے آکر ہندوستانی سماج کا اٹوٹ انگ بن جائیں۔

یہاں یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ کسی طبقے کو یکساں سول قانون نہیں چاہئے تو اسے اپنے پرانے قوانین کو بدلنا پڑے گا تاکہ سماج اور ملک ان آلودگیوں سے متاثر نہ ہوسکے۔ عیسائی اور پارسیوں کی مانند مسلمان اپنے نجی قوانین میں ترمیم بھی نہیں کرنا چاہتے اور حکومت کو بھی اس کی اجازت نہیں دیتے۔ ایسی صورت میں کیا کوئی ترقی پذیر حکومت خاموش رہ سکتی ہے۔ دارالحرب یعنی دشمنوں کا ملک کہہ کر مسلم پیشوا اسلامی طریقوں سے بھی اپنے نجی قانونوں میں تبدیلی نہیں کرنا چاہتے اور اس بات کی دہائی دیتے ہیں کہ اس سے ہندوستان میں شریعت خطرے میں پڑجائے گی۔ یہ بڑی بے تکی بات معلوم ہوتی ہے۔ ان لوگوں کو سوچنا چاہئے کہ اگر ہندوستان میں پندرہ فیصد مسلمان ہیں تو کیا ہندوستانی سماج ان کو ساتھ لئے بنا ترقی کرسکتا ہے کیا ان پندرہ فیصد کو اتنی چھوٹ دے دی جائے کہ یہ شریر بن کر جیسا چاہیں سلوک کریں۔ اس جمہوریت میں کیا اس قسم کی چھوٹ دی جاسکتی ہے۔ اگر پندرہ فیصد اپنی شناخت کے نام پر ہٹ دھرم بن سکتے ہیں تو پچاسی فیصد اپنے وجود کے لئے ایسا کیوں نہیں کرسکتے۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے درمیانی راستہ یہی ہے کہ وہ یکساں سول قانون کے نفاذ کے خلاف احتجاج نہ کریں۔

قانون میں ترمیم کا عمل جوں ہی شروع ہوتا ہے، ہمارے کچھ ماہرین، سیاستداں اور مسلمانوں کے دوست نما دشمن پہلی قطار میں آکر ایسی دلیلیں دینے لگتے ہیں کہ جیسے یکساں سول قانون نافذ ہوتے ہی آسمان پھٹ جانے والا ہے۔

اسلام کے نام پر جو آپا دھاپی چل رہی ہے وہی تو اسلام اور مسلمانوں کے نام نہاد لیڈروں کے سلوک کی بنا پر موضوع گفتگو بنی رہتی ہے۔ اس لئے قانون کو معطل کرکے لاقانونیت پیدا کرنے والے یا تو خود بدلیں یا پھر حکومت کو بدلنے کا اختیار دیں۔ اس کے علاوہ کوئی متبادل نہیں رہ جاتا ہے۔ کیونکہ ہندوستان کو بچانا ہے تو یکساں سول قانون نافذ کرنا ہوگا۔

قانون میں ترمیم کا عمل جوں ہی شروع ہوتا ہے ہمارے کچھ ماہرین قانون، سیاستداں اور مسلمانوں کے دوست نما دشمن پہلی قطار میں آکر ایسی دلیلیں دینے لگتے ہیں کہ جیسے یکساں سول قانون نافذ ہوتے ہی آسمان پھٹ جانے والا ہے۔ آج کل یکساں سول قانون کا نام آتے ہی اس پر زور و شور سے ردعمل شروع ہوجاتا ہے۔ علماء کونسل کے ایک عہدیدار نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ہم خون بہاکر ہندوستان کو لال کردیں گے۔ دیکھا جائے تو آنجناب نے یکساں سول قانون کا مفہوم سمجھا ہی نہیں ہے۔

یکساں سول کوڈ کی بنیادیں "شدھی اور سنگھٹن" تحریک میں پنہاں ہیں

یکساں سول کوڈ کے تاریخی پس منظر پر محمد عبدالحفیظ (حیدرآباد) کی تحریر

آج کل یکساں سول کوڈ کی بات زور و شور سے اٹھ رہی ہے۔ اس کے پیچھے کیا مقاصد ہیں ان کو سمجھنے کے لئے تاریخ کو پلٹنا ہوگا۔ تقسیم ہند سے قبل آزادی کی جدوجہد کے دوران برٹش گورنمنٹ کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی تھی کہ ہندوستان میں جدوجہد آزادی کو اب زیادہ دنوں تک روکا نہیں جاسکتا اس لئے انگریزوں نے یہ مکروہ حکمت عملی تیار کی کہ یہاں کے لوگوں کو آپس میں لڑایا جائے خاص طور پر اس ملک کی سب سے بڑی اقلیت کو اکثریت سے لڑاکر ختم کروادیا جائے۔ ان کی اس حکمت عملی کے اندر دو باتیں پوشیدہ تھیں۔ پہلی بات یہ کہ مسلمانوں کا قتل عام ہو تاکہ ان کی تعداد گھٹ جائے، ان کی ہمت پست ہوجائے اور یہ اپنا سر اٹھانے کے قابل نہ رہیں۔ دوسرے صلیبی جنگوں میں اپنی شکست کا بدلہ لینا بھی ان کا مقصد تھا۔

لہذا برٹش حکومت نے اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے وائسرائے کو مذکورہ پلان سے واقف کروایا۔ وائسرائے نے اسی حکمت عملی کے تحت کانگریس کے ایک مقبول لیڈر پنڈت شردھانند جو اس وقت جیل میں تھے، سے رابطہ قائم کرکے انہیں سمجھایا کہ انگریز اس ملک کو چھوڑنے کے لئے تیار ہیں لیکن یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ آزادی سے تم لوگوں کو کیا ملنے والا ہے؟ تم لوگ حکمرانی کا کوئی عملی تجربہ نہیں رکھتے ان حالات میں مسلمان ملک پر قابض ہوجائیں گے بہ الفاظ دیگر تم ہماری غلامی سے آزاد ہوکر مسلمانوں کی غلامی میں چلے جاؤ گے۔ ہم تمہارے خیر خواہ ہیں اسی سبب برٹش حکومت ہندوستان کو آزاد کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کررہی ہے۔ وائسرائے کی ان باتوں سے پنڈت شردھانند کو اتفاق ہوگیا کیونکہ پنڈت خلافت تحریک کے دور میں مسلمانوں کی اجتماعی قوت اور اتحاد کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ پنڈت شردھانند نے اس معاملہ میں وائسرائے سے رہنمائی طلب کی چنانچہ وائسرائے نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ وہ اس بات کی کوشش کریں کہ مسلمانوں کی آبادی کم سے کم ہوتی چلی جائے۔ دوسری بات یہ کہ ہندوؤں کو عسکری قوت بناکر اٹھایا جائے ان دو چیزوں کے بغیر ہندوؤں کے لئے آزادی بے معنی رہے گی۔

پنڈت شردھانند نے اپنی رہائی کے کچھ دن بعد شدھی اور سنگھٹن کی بنیاد ڈالی یہ دراصل دو طرح کی تحریکیں تھیں جو ایک ہی مرکز سے چلائی جارہی تھیں "شدھی" یعنی پاک کرنا مسلمانوں کو ہندو بنانا "سنگھٹن" یعنی تنظیم جس کا مطلب تھا ہندو قوم کو عسکری قوت میں تبدیل کرنا تاکہ ضرورت پڑنے پر مسلمانوں کو بزور طاقت دبایا جائے۔ پنڈت شردھانند نے مذکورہ اسکیم کو روبہ عمل لانے کے لئے سب سے پہلے جس علاقہ کا انتخاب کیا وہ تھا میوات کا۔ لیکن مولانا محمد الیاس رحمتہ اللہ علیہ (بانی تبلیغی جماعت) نے شدھی تحریک کے خلاف جدوجہد شروع کردی۔ اگرچہ شدھی تحریک کے ساتھ سنگھٹن بھی موجود تھا لیکن مولانا نے صرف شدھی تحریک کے خلاف کام کرنے کو مناسب سمجھا۔ ان دونوں تحریکوں (شدھی اور سنگھٹن) کے آغاز کے ساتھ ہی مسلمانوں میں اضطراب و بے چینی دوڑ گئی اور دہلی میں فرقہ وارانہ فساد کا آغاز ہوگیا جس نے دو تین برس کے اندر اندر سارے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ پنڈت شردھانند کے بعد ان کی تحریک کا پہلا حصہ تو ختم ہوگیا البتہ دوسرا حصہ (سنگھٹن) ایک نیا لبادہ اوڑھ کر سامنے آگیا۔

اس محاذ پر ناکامی کے بعد انہوں نے مسلمانوں کے ذہنوں کو بدلنے کی مہم چلائی تاکہ ان کے اندر ایک نئی فکر پیدا ہو اس طرح انہوں نے وحدت ادیان کے فلسفہ کو لوگوں کے سامنے پیش کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ دنیا کے سارے مذاہب سچے ہیں سب خدا تک پہنچنے کے مختلف راستے ہیں اس لئے کسی مذہب کو کسی دوسرے مذہب پر کوئی فوقیت نہیں ہے مذکورہ فلسفہ کے پیچھے جو راز تھا وہ یہ کہ اگر اہل ملک اس فلسفہ کو سچا تسلیم کرلیں تو پھر جمہوریت کے سہارے اکثریت کے مذہب کو نافذ کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔ اس زمانے میں مسلم دانشور

بقیہ صفحہ 15 پر

امیٹھی کی کوکھ سے پیدا ہونے والی شرم

تحریر: سہیل انجم

سابق مرکزی وزیر اور وزارت عظمیٰ کے خواہشمند ارجن سنگھ نے ہمیں اور آپ کو یہ یاد دلادیا کہ سیاستدانوں کو بھی شرم آتی ہے۔ ورنہ اب تک تو عوام یہ فراموش ہی کر چکے تھے کہ سیاستدانوں کا شرم و غیرت سے بھی کوئی واسطہ ہے۔ دیکھا جائے تو شرم اور سیاست ایک دوسرے سے متضاد چیزیں ہیں۔ شرم کا دامن تھامنے والا سیاست کی دیوی کے ساتھ ہنی مون نہیں منا سکتا۔ بے حیائی و بے غیرتی، بے شرمی و بے مروتی اور عیاری و مکاری تو سیاست کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ یہ خصوصیات ہی تو سیاستدانوں کو زندہ جاوید بناتی ہیں۔ تو کیا ارجن سنگھ کا اظہار ندامت اظہار بے شرمی کا ہی ایک حصہ ہے؟ اس کا جواب ہم سے نہ مانگئے تو بہتر ہے۔

سونیا گاندھی نے امیٹھی میں جب اپنا دکھڑا بیان کرتے ہوئے کہا کہ راجیو قتل کیس کی تحقیقات انتہائی سست رفتاری سے چل رہی ہیں تو ارجن سنگھ نے تپاک سے کہا کہ ایک ہندوستانی اور ایک کانگریسی ہونے کے ناطے میرا سر شرم سے جھک گیا ہے۔ لوگوں کی نظر فوراً ارجن سنگھ کے سر کی طرف اٹھ گئی۔ ارجن سنگھ نے اظہار ندامت کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے پارلیمنٹ میں بھی سوال اٹھایا تاکہ جو

لیکن بقول شخصے یہ شرم نئی ہے اور اس شرم کا خیر مقدم کرنا چاہئے۔ کیونکہ کیا پتہ اس کا دائرہ مزید وسیع ہو اور نہ صرف تحقیقات کی سست روی پر بلکہ دوسرے شرمناک معاملات پر بھی ارجن سنگھ کی گردن شرم سے جھک جائے۔ اور یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ان کے ساتھ دوسرے ہندوستانی اور کانگریسی لیڈران بھی اس شرم میں برابر کے شریک ہوجائیں۔

واقعی یہ سچ ہے کہ یہ شرم نئی ہے اس کی قدر کرنی چاہئے۔ ممکن ہے کہ مسلم کش فسادات پر بھی انہیں شرم آجائے۔ حکومت میں ان کی پہلے دن کی شمولیت سے لے کر آج تک نہ جانے کتنے فسادات ہوئے، مسلمان گاجر مولی کی مانند کاٹے گئے، بابری مسجد شہید کردی گئی، گیان واپی مسجد اور متھرا کی عیدگاہ کی شہادت کی تیاری ہے، سورت میں مسلم خواتین کی عریاں ویڈیو گرافی کی گئی، بمبئی میں مسلمانوں پر اس قدر مظالم توڑے گئے کہ وہ وہاں سے انخلاء پر مجبور ہوگئے۔ شیو سینا نے بنگلہ دیشی کہہ کر بے شمار غریب مسلمانوں کو بنگلہ دیش کی سرحد پر لے جاکر چھوڑ دیا۔ سچے اور محب وطن مسلم ہندوستانیوں

کیا مسلم کش فسادات پر بھی ارجن سنگھ کا سر شرم سے جھکا؟

لوگ ان کی جھکی ہوئی گردن نہ دیکھ سکے ہوں وہ بھی دیکھ لیں۔ حالانکہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ایسا کرنے کے پیچھے ان کا منشاء دوسرے لوگوں تک شرمندگی کے احساس کو پہنچانا نہیں تھا ان کا مقصد تو صرف سونیا گاندھی کی توجہ مبذول کرانا تھا اور یہ بتانا تھا کہ بقیہ لیڈران تو ہندوستانی ہیں اور کانگریسی بھی۔ انہیں تحقیقات کی سست رفتاری پر نہ تو کوئی شرمندگی ہے نہ ہی افسوس۔ وہ اس میں کامیاب ہوئے یا نہیں اس کا جواب تو وہی دے سکتے ہیں۔

کی شہریت مشکوک بنا دی گئی اور مسلمانوں کے خلاف دیگر کیسی کیسی ناانصافیاں نہیں کی گئیں۔ ان کو شمار کرانا فضول ہے۔ کیونکہ ارجن سنگھ تو خود بھی مرکزی حکومت میں رہے ہیں ان تمام معاملات سے بخوبی واقف ہوں گے۔ اس لئے ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کی شرم و غیرت کی قدر کریں اسے اسی نظر سے دیکھیں۔ کیا پتا کل مذکورہ معاملات پر بھی انہیں شرم آجائے اور راجیو گاندھی کی بیوہ کے ساتھ ساتھ ان ہزاروں مسلم بیواؤں کے آنسو بھی انہیں نظر آجائیں جو اپنا دکھڑا کسی "امیٹھی" میں بیان نہیں کر سکیں اور اگر بیان بھی کریں تو ان پر کوئی ہندوستانی اور کانگریسی سیاستداں شرم سے سر نہیں جھکاتا اسے غیرت نہیں آتی۔

سیاستدانوں بالخصوص کانگریسی سیاستدانوں کو چاہئے کہ وہ بھی شرم سے اپنی گردن جھکائیں اور اپنے ہندوستانی اور کانگریسی ہونے کا ثبوت دیں۔ مسلم کش فسادات کی کوکھ سے جنم لینے والی بیواؤں کے دکھ درد پر انہیں شرم نہ آئے تو نہ سہی کم از کم سونیا کے دکھڑے پر تو شرم آنی ہی چاہئے۔

اس شمارہ کی قیمت چار روپے
سالانہ چندہ ایک سو پچاس روپے / سو امریکی ڈالر
کے لئے از مطبوعات
مسلم میڈیا ٹرسٹ
پرنٹر پبلشر ایڈیٹر محمد احمد سیوانی نے TEJ PRESS پریس سے چھپواکر
دفتر ملی ٹائمز 49-ابوالفضل انکلیو جامعہ نگر
نئی دہلی 110025 سے شائع کیا۔
فون: 6827018
سری نگر بذریعہ ہوائی جہاز 4.50 روپے

کیا سونیا گاندھی کا اقدام کانگریس میں کوئی طوفان

سیاست میں سونیا گاندھی کی آمد کے امکانات

بالآخر سونیا گاندھی نے خاموشی کا قفل توڑ دیا۔ انہوں نے پہلی بار اپنی زبان کھولی اور امیٹھی کے عوام کے سامنے اپنا دکھڑا رویا۔ سونیا نے چھ منٹ کی مختصر مگر تہلکہ خیز تقریر کی بلکہ پڑھی۔ (کیونکہ تقریر ایک کاغذ پر لکھی ہوئی تھی)۔ یہ واقعہ ہندوستان کی حالیہ سیاسی تاریخ میں ایک بڑا واقعہ تصور کیا جارہا ہے۔ یوں بھی ہندوستان میں گزارے اپنے پچیس سالہ دور میں سونیا کی یہ پہلی عوامی تقریر تھی اور اس کا انتظار لوگوں کو شدت سے تھا۔ ان کی مختصر تقریر نے ہندوستانی سیاست کے سمندر میں زبردست لہریں اٹھا دی ہیں۔ عوامی حلقوں کے ساتھ ساتھ پارلیمنٹ میں بھی اس کی گونج سنائی دی۔ سونیا گاندھی کی اس پہلی مگر جارحانہ تقریر پر مختلف قسم کی قیاس آرائیاں ہورہی ہیں اور ان قیاس آرائیوں میں سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ سونیا کے اقدام سے ہندوستانی سیاست کے سمندر میں جو لہریں اٹھ رہی ہیں کیا وہ طوفان کی شکل اختیار کر سکتی ہیں اور کیا اس طوفان میں راؤ کی کشتی غرقاب ہوجائے گی یا پھر یہ لہریں سمندری جھاگ کی مانند بیٹھ جائیں گی؟ ملک کی موجودہ سیاسی صورت حال، کانگریس کے انتشار اور سونیا گاندھی کے متوقع اقدام کی روشنی میں یہ سوال انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ سچ پوچھئے تو اس سوال کے اردگرد آج کی کانگریس سیاست گردش کر رہی ہے

ضرور دے دیا کہ وہ ارجن تیواری گروپ سے ہمدردی رکھتی ہیں۔ یعنی ان کا جھکاؤ اسی گروپ کی جانب ہے۔ لیکن امیٹھی میں انہوں نے جتیندر پرشاد اور دگ وجے سنگھ وغیرہ سے ملاقات کرکے لوگوں کے ذہنوں میں ان شبہات کو بھی جنم دے دیا کہ وہ کانگریس میں اتحاد کی کوششیں کر رہی ہیں۔

راؤ پر ماں بیٹی کی یلغار

ان کے دورہ امیٹھی سے قبل ایسی چہ می گوئیاں تھیں کہ اس موقع پر وہ راہول گاندھی یا پرینکا گاندھی کو سیاست میں اتارنے یا پھر خود میدان سیاست میں کودنے کا اعلان کر سکتی ہیں لیکن انہوں نے راہول کے بجائے پرینکا کو امیٹھی لے جانے کو ترجیح دی۔ دوسرے انہوں نے اس سلسلے میں خاموشی اختیار کرکے اور اپنے بچوں کو فی الحال سیاست سے دور رکھنے کا عملی مظاہرہ کرکے سیاسی مبصرین کو گومگو کی کیفیت میں مبتلا کردیا۔

البتہ ان کی تقریر سے ناراض کانگریسیوں کو حوصلہ ملا اور کانگریس پارٹی میں راجیو حامیوں کو کھل کر کچھ کرنے کا عارضی موقع دستیاب ہوگیا۔ لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ حوصلہ اور یہ موقع اپنی اہمیت کھونے لگا اور راجیو حامی طبقہ کشمکش میں مبتلا ہوگیا۔ کیونکہ سونیا گاندھی کے واضح اور عملی فیصلے کی غیر موجودگی میں ان کے لئے کوئی قدم اٹھانا سیاسی خودکشی کے مترادف ہوگا۔ پارلیمنٹ میں ان کی تقریر پر ہنگامہ ضرور ہوا لیکن ہمیشہ کی مانند اس بار بھی نرسمہا راؤ چکنا گھڑا ثابت ہوئے۔ انہوں نے یہ اعلان تو کردیا کہ راجیو قتل کیس کی سماعت دسمبر تک پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گی لیکن اگلے ہی دن انہوں نے راجیو خاندان کے قریبی للت سوری کی رہائش گاہ پر حوالہ کیس کے تعلق سے سی بی آئی کا چھاپہ ڈلواکر خم ٹھونک کر سونیا کیمپ سے مقابلہ کرنے کا اشارہ بھی دے دیا۔ پارلیمنٹ میں ان کی تقریر اس بات کا اشارہ تھی کہ وہ سمجھوتے کے بجائے جنگ کے موڈ میں ہیں اور پارٹی قیادت سے دستبردار ہونے کو قطعی تیار نہیں ہیں۔

سونیا گاندھی نے اپنی تقریر سے اس خیال پر مہر تصدیق ثبت کردی کہ وہ وزیر اعظم پی وی نرسمہا راؤ سے بری طرح خفا ہیں۔ اس کا ثبوت تو وہ اپنی حرکات و سکنات سے پہلے بھی دیتی رہی ہیں لیکن زبانی اظہار پہلی بار ہوا۔ سیاسی حلقوں میں قیاس آرائی کی جارہی ہے کہ یہ صورت حال کانگریس کی ایک اور تقسیم کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہے اور اگر اس بار تقسیم ہوئی تو دوسرے گروپ کی قیادت سونیا گاندھی کریں گی۔ لیکن سونیا گاندھی کے چہرے کے تاثرات اور ان کی حرکات و سکنات کا بغور جائزہ لینے والوں کا خیال ہے کہ یہ بات ابھی اتنی آسانی سے نہیں کہی جاسکتی۔ سونیا گاندھی جیسی خاموش طبع خاتون سے کھل کر کسی اقدام کی توقع کرنے میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے۔ ان لوگوں کی دلیل ہے کہ سونیا گاندھی نے امیٹھی میں جو کچھ کہا اس کے بارے میں یہ قطعی رائے قائم نہیں کی جاسکتی کہ وہ ایک منظم حکمت عملی کے تحت تھا یا پھر ان باتوں پر جذبات انگیزی حاوی تھی۔ البتہ انہوں نے اموسی ہوائی اڈے پر این ڈی تیواری کی خیریت معلوم کرکے اور ان کے گلدستے کو شرف قبولیت بخش کر یہ اشارہ

آندھرا پردیش اور امیٹھی کے واقعات — بی جے پی

امیٹھی اور آندھرا پردیش کے واقعات نے بی جے پی حلقے میں زبردست جوش و خروش پیدا کردیا ہے۔ بی جے پی لیڈروں کا خیال ہے کہ یہ دونوں صورت حال دہلی پر بی جے پی کے قبضہ میں معاون و مددگار ثابت ہوں گی۔ آندھرا پردیش کے حالات بلاشبہ نیشنل فرنٹ اور سیکولر طاقتوں کے لئے باعث تشویش اور خطرناک ہیں۔ نیشنل فرنٹ جو کہ مردہ ہوگیا تھا، آندھرا پردیش میں راما راؤ کی کامیاب واپسی سے زندہ ہوا تھا۔ فرنٹ کے تن مردہ میں روح پھونکنے میں کرناٹک کی تبدیلی نے بھی اہم رول ادا کیا تھا لیکن اب یہی دونوں ریاستیں نیشنل فرنٹ کو کمزور کرنے کا باعث بھی بن رہی ہیں۔

کرناٹک میں سابق وزیر اعلیٰ رام کرشن ہیگڑے نے وزیر اعلیٰ دیوگوڑا کے خلاف بالواسطہ طور پر جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ دراصل ہیگڑے خود وزیر اعلیٰ بننے کے خواہاں تھے لیکن چونکہ انہوں نے اسمبلی الیکشن نہیں لڑا تھا اس لئے پارلیمانی پارٹی نے ان کے بجائے دیوگوڑا کو اپنا لیڈر تسلیم کیا اس طرح ہیگڑے وزیر اعلیٰ بنتے بنتے رہ گئے۔ اس کا انہیں بہت دکھ ہے

اور وہ اس کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں ابھی کچھ دنوں قبل انہوں نے یہ تجویز رکھی تھی کہ سیکولر طاقتوں کو یا بہ الفاظ دیگر نیشنل فرنٹ کو راؤ کے ساتھ اتحاد کرکے الیکشن لڑنا چاہئے۔ ان کی دلیل تھی کہ اس سے بی جے پی کو شکست دینے میں آسانی ہوگی۔ حال ہی میں انہوں نے یہ تجویز واپس لے لی ہے۔ اس تجویز کے پیچھے ان کا مقصد خواہ کچھ بھی رہا ہو لیکن اس سے جنتا دل کو نقصان پہنچا۔ اب اپنے یوم پیدائش کے موقع پر انہوں نے لوک سبھا انتخابات کی جس طرح تیاری کی ہے۔ اس سے بھی جنتا دل کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔

سونیا سیاست میں آئیں تو بی جے پی کا نعرہ
"روم راجیہ نہیں رام راجیہ"

راما راؤ نیشنل فرنٹ کے چیئرمین ہیں اور جنتا دل و تیلگو دیسم فرنٹ کے دو مضبوط پائے ہیں۔ راما راؤ ریاست میں اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے بعد مرکز میں آنے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے پارلیمانی الیکشن لڑنے کا بھی اعلان کیا تھا۔ وہ پارلیمنٹ کا الیکشن جیتتے یا ہارتے اور وہ وزیر اعظم

اقتدار کی قربانی لینے والی راما راؤ کی رومانوی داستان

تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ بادشاہوں اور شہزادوں نے اپنی محبت کی خاطر تخت و تاج کو ٹھوکر مار دی ہے۔ تاریخ ایک بار پھر خود کو دوہرا رہی ہے۔ نیشنل فرنٹ کے چیئرمین اور آندھرا پردیش کے وزیر اعلیٰ این ٹی راما راؤ نے جدید دور میں ایک نئی رومانوی داستان کی تخلیق کی ہے۔ انہوں نے اپنی بیوی لکشمی پاروتی کی محبت پر ریاستی اقتدار کو قربان کرنے کو ترجیح دی۔ انہوں نے ایسے لوگوں کو آڑے ہاتھوں لیا ہے جو ان کی اہلیہ پر الزامات عائد کرتے ہیں اور کہا ہے کہ ان لوگوں کو بیوی کے رول اور اس کی حیثیت کا اندازہ نہیں ہے۔

آٹھ مہینے قبل ہونے والے ریاستی الیکشن میں راما راؤ زبردست اکثریت سے کامیاب ہوئے تھے اور اب وہ قومی سیاست میں اہم رول ادا کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ انہوں نے بحیثیت قومی مورچہ کے چیئرمین کے پارلیمانی الیکشن لڑنے کا بھی اعلان کیا تھا۔ وہ روٹی کپڑا اور مکان کے نعرے کے ساتھ خود کو "غریبوں کا مسیحا" کی حیثیت سے پیش کرنے جا رہے تھے۔ لیکن اسی اثناء میں ریاست میں سیاسی طوفان برپا ہوگیا۔

72 سالہ راما راؤ کی طویل عمر، بارہ سالہ سیاسی کیریئر اور تین سو سے زائد دیو مالائی فلموں کی زندگی کے مقابلے میں لکشمی پاروتی کا باب انتہائی مختصر ہے۔ لیکن اس کے باوجود اسے راما راؤ اپنی زندگی کا سب سے یادگار دور تصور کرتے ہیں۔ اس قلیل مدت میں لوگوں نے راما راؤ کا حقیقی معاشقہ دیکھا (فلموں کا معاشقہ الگ ہے) ان کی سابقہ اہلیہ کا 1984ء میں انتقال ہوگیا تھا اور اسی وقت سے راما راؤ تنہائی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

اسی درمیان ایک دن راما راؤ کی ملاقات ایک ہر کتھا آرٹسٹ وینکٹ سبا راؤ کی بیوی لکشمی پاروتی سے ہو جاتی ہے۔ دونوں پہلی نظر میں ہی ایک دوسرے پر عاشق ہو جاتے ہیں۔ پہلی ملاقات 1989ء نرساپور کی انتخابی مہم کے دوران ہوئی تھی۔ اس کے بعد دونوں میں خفیہ ملاقاتوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ یہاں تک کہ جب راما راؤ بذریعہ طیارہ دہلی جاتے تو پاروتی بھی بذریعہ ریل وہاں پہنچ جاتیں۔

> ۷۲ سالہ راما راؤ کی طویل عمر، بارہ سالہ سیاسی کیریئر اور تین سو سے زائد دیو مالائی فلموں کی زندگی کے مقابلے میں لکشمی پاروتی کا باب انتہائی مختصر ہے۔ لیکن اس کے باوجود اسے راما راؤ اپنی زندگی کا سب سے یادگار دور تصور کرتے ہیں

ایک طویل و عریض بنگلہ میں راما راؤ کی سونی زندگی میں پاروتی بہار کے جھونکے کی مانند داخل ہوتیں اور ان کے تنہائی کے لمحات کو خوشگوار یادوں میں بدل دیتیں۔

راما راؤ اور لکشمی پاروتی۔ بیگم کی ناز برداری میں حکومت چلی گئی

راما راؤ کے سات بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں لیکن سب اپنی اپنی دنیا میں مگن ہیں کسی کو بوڑھے باپ کی تنہائی دور کرنے کا کبھی خیال نہیں آیا۔ ایسے ماحول میں پاروتی نے نہ صرف راما راؤ کی زندگی کے خالی پن کو دور کر دیا بلکہ ان میں جینے کا نیا انداز بھی دیا۔ بالآخر ستمبر 1993ء میں 72 سالہ راما راؤ نے 43 سالہ لکشمی پاروتی سے شادی کر لی۔ 1993ء میں راما راؤ پر ہارٹ اٹیک ہوا۔ راما راؤ کا خیال ہے کہ پاروتی ہی نے انہیں موت کے چنگل سے چھڑایا۔

پاروتی کافی تعلیم یافتہ ہیں۔ وہ تیلگو اور سنسکرت ادب میں ناگارجن یونیورسٹی سے ایم اے ہیں۔ اس طرح ان میں راما راؤ کو اپنی حقیقی شریک زندگی کی جھلک نظر آئی جس سے وہ سیاسی امور پر بھی تبادلہ خیال کر سکیں۔ جبکہ ان کی پہلی بیوی میں یہ اہلیت نہیں تھی۔ راما راؤ پاروتی کو رانی جھانسی اور رانی رودر ما دیوی بنانا چاہتے تھے۔ وہ اپنی تقریروں میں اس کا اظہار بھی کرتے۔ دھیرے دھیرے راما راؤ کے سیاسی معاملات میں ان کا دخل بڑھنے لگا۔ وہ اقتدار سے باہر رہنے کے دور میں عوامی جلسوں میں ان کے ساتھ شریک ہوتیں اور تقریر بھی کرتیں۔ راما راؤ نے محسوس کیا کہ ان کے گھر والے اس شادی سے خوش نہیں ہیں لیکن عوام کو کوئی اعتراض نہیں ہے بالخصوص خواتین نے اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے۔ راما راؤ نے اسمبلی الیکشن میں پاروتی کو ساتھ ساتھ رکھا جس کی بنا پر لوگوں کی بھیڑ امنڈتی اور ان کی حیثیت "ووٹ کیچر" یعنی ووٹ کو اپنی طرف کھینچنے والے کی بنتی گئی۔ جس کے نتیجے میں اسمبلی الیکشن میں راما راؤ زبردست اکثریت سے کامیاب ہوگئے۔

پہلے پاروتی کو تیلگو دیسم پارٹی کے اثاثے کے روپ میں دیکھا گیا لیکن جب ان کی سرگرمیوں کی بنا پر پارٹی میں تقسیم ہوئی تو انہیں بدشگونی سے تعبیر کیا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پاروتی نے پارٹی پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی اور پارٹی معاملات میں ان کا فیصلہ ہی حرف آخر ہوتا تھا۔ اس صورت حال نے راما راؤ کے دامادوں اور بیٹوں کو تشویش میں مبتلا کر دیا اور نتیجہ تقسیم کی صورت میں سامنے آیا۔ راما راؤ بھی پاروتی کو آگے بڑھانے کی کوششوں میں لگے رہے۔ ان کا منصوبہ خود وزیر اعظم بننے اور پاروتی کو جے للتا کی مانند آندھرا پردیش کی وزیر اعلیٰ بنانے کا تھا۔ اسمبلی الیکشن میں امیدواروں کا فیصلہ انہی نے کیا اور ان کے کامیاب امیدواروں کو کابینہ اور دوسرے سرکاری محکموں میں اچھی جگہ بھی دی گئی۔ ٹکالی اسمبلی سیٹ پر ہونے والے ضمنی الیکشن میں جب راما راؤ نے پاروتی کو پارٹی امیدوار بنانے کا اعلان کیا تو اس پر ان کے دامادوں چندرا بابو نائیڈو اور وینکٹیشور راؤ اور ایک بیٹے نے زبردست ہنگامہ کیا۔ بالآخر راما راؤ کو اپنا فیصلہ واپس لینا پڑا۔ اختلافات کا وہ پہلا کھلا مظاہرہ تھا۔

> **پہلے پاروتی کو تیلگو دیسم پارٹی کے اثاثے کے روپ میں دیکھا گیا لیکن جب ان کی سرگرمیوں کی بنا پر پارٹی میں تقسیم ہوئی تو انہیں بدشگونی سے تعبیر کیا گیا**

راما راؤ کے اہل خانہ کو یہ احساس ہونے لگا کہ پاروتی راما راؤ کی سیاسی وارث بننا چاہتی ہیں اس لئے ان میں زبردست بے چینی پیدا ہوگئی اور سب لوگوں نے مل کر پاروتی کے خلاف ایک محاذ کھڑا کر دیا۔ بالآخر پارٹی تقسیم سے دوچار ہوگئی اور راما راؤ نے اپنی محبت پر اقتدار کی قربانی کو ترجیح دے کر ایک نئی رومانوی داستان کی تخلیق کر دی۔

...ئی طوفان برپا کرسکتا ہے؟

...مکانات و اثرات کا جائزہ

امیٹھی میں سونیا نے اپنا جو دکھڑا بیان کیا اور راجیو کے قاتلوں کو ابھی تک سزا نہ دینے پر اپنی جس ناراضگی کا اظہار کیا اس پر نہ صرف ناراض کانگریسیوں بلکہ راؤ خیمے کی جانب سے بھی اظہار افسوس و غم کیا گیا اور سب نے بیک آواز کہا کہ راجیو کے قاتلوں کو سزا ملنی چاہئے اور یہ کہ ابھی تک اس کیس میں کوئی فیصلہ نہ ہونا سونیا گاندھی کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ راجیو گاندھی کی اصل قاتل تامل لڑکی دھنو تو جائے واردات پر ہی اور راجیو گاندھی سے پہلے ہی ہلاک ہوگئی تھی۔ بعد میں کئی تامل انتہاپسندوں نے پولیس کے محاصرے میں پھنس کر خودکشی کر لی تھی۔ البتہ اس قتل کی سازش رچنے والا پربھاکرن ابھی زندہ ہے اور سری لنکا کے جنگلوں سے کارروائی کر کے سری لنکا حکومت کو ناکوں چنے چبوا رہا ہے۔ وہاں کی صدر چندریکا بھی اسے گرفتار نہیں کر پا رہی ہیں تو بھلا ہندوستان کی پولیس یا فوج اسے کیسے پکڑ سکتی ہے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ راجیو کے قاتلوں کو گرفتار کرنے اور سزا دینے پر سونیا گاندھی کے ساتھ ساتھ ناراض کانگریسی اور کانگریسی بھی اپنے جوش و خروش کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور اب تک ان کے زندہ رہنے پر اظہار غم و غصہ اور ناراضگی کا مظاہرہ بھی کر رہے ہیں۔ سیاستدانوں کے شور و ہنگامے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سونیا گاندھی کے ساتھ کتنی بڑی ناانصافی ہو رہی ہے لیکن ان موقع پرست اور ابن الوقت سیاستدانوں کو فرقہ وارانہ فسادات میں مارے جانے والے بے قصور مسلمانوں کا لہو کیوں نہیں دکھائی دیتا؟ مظلوموں کی آہیں کیوں نہیں سنائی دیتیں، مسلم بیواؤں کا دکھ درد کیوں نہیں نظر آتا؟ ویڈیو گرافی کے لئے برہنہ کر کے دوڑائی جانے والی خواتین کی چیخیں کیوں نہیں سنائی دیتیں؟ ان کی لٹتی ہوئی عزتیں اور پامال ہوتی ہوئی عصمتیں ان کے ضمیر پر چوٹ کیوں نہیں لگاتیں؟ راجیو گاندھی کے قاتلوں کو سزا دینے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو فسادات کی چکی میں پیسنے اور بابری مسجد کو شہید کرنے والوں کو بھی سزائیں دینی ہوں گی۔ یہی انصاف کا تقاضہ ہے۔

بہرحال سونیا گاندھی کا یہ اقدام ٹائیں ٹائیں فش ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔ کیونکہ جب تک وہ کھل کر کوئی قدم نہیں اٹھاتیں خود کو یا اپنے بچوں میں سے کسی کو سیاست میں داخل نہیں کرتیں تب تک کانگریس میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں ہوگی۔ اشاروں کنایوں کے بجائے کھل کر سامنے آنا ہوگا۔ لیکن شاید سونیا کھل کر سامنے آنے کے بعد کی صورت حال سے خوفزدہ ہیں کیونکہ ایسے حالات میں ان کا بھرم ٹوٹ جانے کا اور بند ہوئی لاکھ کی مٹھی کھلتے ہی خاک میں مل جانے کا خطرہ درپیش ہے۔

> سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ سونیا کے اقدام سے ہندوستانی سیاست کے سمندر میں جو لہریں اٹھ رہی ہیں کیا وہ طوفان کی شکل اختیار کر سکتی ہیں اور کیا اس طوفان میں راؤ کی کشتی غرقاب ہو جائے گی یا پھر یہ لہریں سمندری جھاگ کی مانند بیٹھ جائے گی؟

...بی جے پی کے لئے آب حیات

...بنتے یا نہیں بنتے لیکن اس صورت حال سے نیشنل فرنٹ کو فائدہ ضرور پہنچتا۔

فرنٹ کے لیڈران پورے ملک میں آندھرا کی مستحکم حکومت کی مثال پیش کر کے مرکز میں مستحکم حکومت کے قیام کے لئے عوام سے ووٹ مانگتے اور اور اس کے اثرات بھی مرتب ہوتے۔ لیکن تیلگو دیسم کی تقسیم اور آندھرا کی سیاسی صورت حال نے ان امکانات کو خاک میں ملا دیا۔ اب نیشنل فرنٹ یہ دعویٰ کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہ گیا کہ وہ عوام کو ایک مستحکم مرکزی حکومت دے سکتا ہے۔ ادھر لیفٹ فرنٹ کی آندھرا کے ناراض گروپ کے قائد چندرا بابو نائیڈو کی حمایت سے بھی فرنٹ کمزور ہوا ہے۔ آئندہ راما راؤ چندرا بابو نائیڈو گروپ کی فرنٹ میں شمولیت کا دروازہ بند ہی رکھنا چاہیں گے۔ وہ کسی بھی قیمت پر نہیں چاہیں گے کہ ان کا مخالف دھڑا فرنٹ کا حصہ بنے اور نہ ہی وہ خود فرنٹ کی چیئرمین شپ سے دستبردار ہونے کو تیار ہوں گے۔ گروہ دستبردار ہو جائیں تب بھی اور نہ ہوں تب بھی دونوں صورتوں میں فرنٹ کا نقصان ہے۔ اسے ایک طبقہ کی حمایت سے ہاتھ دھونا ہی پڑے گا۔ ادھر ڈی ایم کے پہلے ہی فرنٹ کا ساتھ چھوڑ چکا ہے اور جے للتا نے ابھی فرنٹ میں شمولیت کا کوئی اشارہ نہیں دیا ہے۔ ان کی نرسمہا راؤ سے ملاقات نے بھی جنتا دل کے لیڈروں کو تشویش میں مبتلا کر دیا ہے کہ کہیں وہ کانگریس سے اتحاد نہ کر لیں۔

پارلیمانی الیکشن میں بی جے پی اس صورت حال کا خوب پروپیگنڈہ کرے گی اور نیشنل فرنٹ کے عدم استحکام کو اپنی انتخابی مہم کا ایک حصہ بنائے گی۔ بی جے پی عوام کو یہ بتانے میں حق بجانب ہوگی کہ جو پارٹی اپنا گھر درست نہ کر سکے اور اپنے گھر میں استحکام پیدا نہ کر سکے وہ مرکزی سطح پر مستحکم حکومت کیسے دے سکتی ہے۔

ادھر امیٹھی کے پلیٹ فارم سے سونیا گاندھی نے جس مہم کا آغاز کیا ہے اس سے بھی بی جے پی زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سونیا کے اقدام سے کانگریس میں مزید اختلافات پروان چڑھیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سونیا اور راؤ خیمہ آمنے سامنے آجائے۔ ایسی صورت حال میں کانگریس کا ووٹ منتشر ہو جائے گا جس کا لازمی فائدہ بی جے پی کو پہنچے گا۔ بی جے پی نے فی الحال خاموش رہ کر تماشہ دیکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ لیکن اگر سونیا گاندھی خود یا اپنے بچوں میں سے کسی کو سیاست میں اتارتی ہیں تو بی جے پی کے لئے ان کی مخالفت کرنا ضروری ہو جائے گا۔ ایسی صورت حال میں بی جے پی نے "روم راجیہ نہیں رام راجیہ" کا نعرہ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ سونیا گاندھی چونکہ اٹلی سے تعلق رکھتی ہیں اور روم اٹلی کی راجدھانی ہے اس لئے بی جے پی سونیا کے غیر ملکی ہونے کا پروپیگنڈہ کرے گی اور عوام کے سامنے روم راجیہ نہیں رام راجیہ کا جذباتی نعرہ رکھ کر انتخابی کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کرے گی۔

بہرحال اس وقت ملکی سیاست کی جو صورت حال ہے وہ بی جے پی کے حق میں بہتر ہوتی ہوئی نظر آرہی ہے اگر کانگریس کے آپسی اختلافات یوں ہی برقرار رہے اور نیشنل فرنٹ یوں ہی کمزور ہوتا رہا تو یہ حالات بی جے پی کے لئے آب حیات سے کم نہیں ہوں گے۔ آندھرا پردیش کے حالات نہ صرف تیلگو دیسم اور جنتا دل کے لئے بلکہ تمام سیکولر عناصر کے لئے باعث تشویش ہیں۔ یہ انتشار بی جے پی کے لئے اقتدار کی راہیں وا کرے گا۔

> ...بی جے پی کا نعرہ ہوگا
> "...نہیں رام راجیہ"

سفید پوش سیاست اور جرائم پیشہ عناصر کے گٹھ جوڑ پر ایک نامکمل رپورٹ

ھندو ووٹ بینک کی خاطر فرقہ وارانہ جرائم سے چشم پوشی

این این ووہرہ کمیٹی کی رپورٹ پیش کئے جانے کا بظاہر مقصد مجرموں اور حکومتی اداروں یا سیاسی شخصیتوں کے درمیان روابط کو منظر عام پر لانا ہے۔ تاہم نہ اس رپورٹ میں جملہ تفصیل کا احاطہ کیا گیا ہے اور نہ ہی اخذ کردہ نتائج کے جواز میں ٹھوس ثبوت دیئے گئے ہیں۔

اس رپورٹ کا پورا زور بمبئی کے دھماکوں کے دوران اور اس کے بعد مجرم گروہوں اور بیوروکریٹ یا سیاستداں حلقوں کے درمیان جوڑ توڑ پر ہے اور یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ بمبئی کے دھماکوں اور احمد آباد و سورت کے فرقہ وارانہ فسادات سے ظاہر ہوتا ہے کہ خفیہ طور پر مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث لوگ کس طرح آئی ایس آئی کے آلہ کار بنے رہے۔ لیکن اس بات کی طرف سے پوری طرح آنکھیں بند کرکے کہ بمبئی کا دھماکہ بابری مسجد کی مسماری اور مسلم مخالف قتل و غارت گری کے بعد ہی واقع ہوا تھا، دسمبر 1992ء اور جنوری 1993ء میں کئے گئے جرائم کے خلاف انتقامی کارروائی کے مقصد سے یکسر انحراف کیا جارہا ہے جب کہ مجرمین کو کوئی سزا بھی نہیں دی گئی۔ اور اسی لئے رپورٹ کو تیار کرنے والے افراد نے دونوں گروہوں کے درمیان روابط کی طرف سے بے نیازی برتی ہے۔

بالفاظ دیگر آئی ایس آئی اگر کچھ کرسکتی تھی تو صرف یہ کہ بابری مسجد کی مسماری اور قتل و غارت گری میں شریک طاقتوں کے ہاتھوں پیدا کردہ صورت حال کا استحصال کرے۔ یہ رویہ اس امر کا بھی غماز ہے کہ ہندتو کی طاقتوں کی سرپرستی میں کام کرنے والے گروہوں نے سورت میں عورتوں پر جو مظالم توڑے ان کے تئیں جانب داری اور چشم پوشی سے کام لیا جارہا ہے۔

تجارت، جرم اور سرکاری عہدیداروں کے مابین سانٹھ گانٹھ کو جس کا مظاہرہ حوالہ گھپلوں اور ٹریڈ یونین لیڈر شنکر گوہا نیوگی کے قتل کی صورت میں ہوتا رہا ہے متعلقہ مسئلہ سے الگ تھلگ رکھا گیا ہے۔ دونوں معاملات میں ملوث افراد کی بیک وقت حاضری اور اعلی سطح پر انہیں تحفظ حاصل ہونے سے اندازہ ہوتا ہے کہ سفید پوش مجرموں کے گھناؤنے ہاتھ کتنے لمبے ہیں۔ اس طرح مقامی سیاستدانوں کے سائے میں پلنے والے مجرم گروہوں کا تو ذکر کیا گیا ہے لیکن ان سیاسی اور ثقافتی تنظیموں کے کارناموں کو نظرانداز کیا گیا ہے جو دو فرقوں کے درمیان اختلاف و تصادم کو سرکاری اقتدار کے حصول کی غرض سے ہندو ووٹ بینک تیار کرنے کے حربے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ایسے سیاستدانوں کا واحد کارنامہ یہ ہے کہ وہ ہندوستانی سیاست کو جرائم سے آلودہ کرتے ہیں اور مجرمانہ سرگرمیوں کو عزت و وقار بخشتے ہیں اور اسی لئے ان کے اس کارنامے کو ووہرہ کمیٹی کی زینت ضرور بننا چاہئے تھا۔

> ہندوتو کی طاقتوں کی سرپرستی میں کام کرنے والے گروہوں نے سورت میں عورتوں پر جو مظالم توڑے ان کے تئیں جانب داری اور چشم پوشی سے کام لیا جارہا ہے۔

اس کے علاوہ یہ کہ جن اداروں کی کاوش سے یہ رپورٹ تیار ہوئی ہے وہ کسی طرح کا اعتماد پیدا نہیں کرپائے ہیں۔ بعض جگہوں پر کمزور مقدمات کھڑے کرکے انہوں نے ملزموں کو بے روک ٹوک رہا کردیا ہے۔ اس کی واضح مثال بابری مسجد کی مسماری کے بعد آر ایس ایس اور وی ایچ پی پر پابندی عائد کرنے کے سلسلے میں فائل کی گئی چارج شیٹیں ہیں۔ ووہرہ رپورٹ میں اقبال مرچی کا ذکر ایک معمولی سے کارندے کو ایک بڑے گروہ میں تبدیل ہونے کی مثال کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے لیکن اقبال مرچی کی ملک بدری کے سلسلے میں لندن ارسال کی جانے والی سی بی آئی کی تین چارج شیٹوں کی بنیاد افواہ پر تھی جس کے خلاف کوئی عدالتی چارہ جوئی نہیں کی جاسکتی۔ اس ناکارکردگی اور کمزوری کے باوجود یہ ادارے غیر معمولی اختیار کا مطالبہ کرتے ہیں جو انہیں حاصل بھی ہیں۔

رپورٹ میں انفارمیشن بیورو کے مکمل آزادی کے مطالبے کا ذکر بھی ہے اور انسدادی حراست، سزا دینے، ٹیلی فون ریکارڈ کرنے، تعاقب و نگرانی کرنے، مرکزی اور صوبائی سطحوں پر فائرنگ نظام قائم کرنے اور موجودہ ضابطوں کو تبدیل کرنے اور ان پر نظرثانی کرنے کے ضمن میں سی بی آئی کے اختیارات کا حوالہ بھی ہے۔ یہ ساری باتیں ہمیں ابھی حال ہی میں واپس لئے گئے ٹاڈا قانون کی یاد دلاتی ہیں۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ٹاڈا کے عہد میں معصوم لوگ ظلم و اذیت کا نشانہ بنے اور دہشت گردی کا گراف اوپر ہی اٹھتا گیا۔ کسی بات سے بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ پارلیمنٹ یا اس ملک کے شہریوں کے سامنے جوابدہی کی عدم موجودگی میں ماضی کے سانحے دہرائے نہیں جائیں گے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جب سیاست اور جرم کے درمیان ساز باز کی بہت سی صورتوں کو تسلیم ہی نہیں کیا جائے گا تو شیو سینا، وی ایچ پی اور بجرنگ دل جیسے گروہوں تک قانون و انصاف کے ہاتھ پہنچ ہی نہیں پائیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صرف انہی جرائم پر نظر جاسکے گی جن کا ارتکاب داؤد ابراہیم اور مختلف ذاتوں کی طرف سے تشکیل کردہ سیناؤں نے کیا ہو اور اس سے مروجہ فرقہ وارانہ اور گروہی تعصبات کو تقویت ملے گی اور جمہوریت کو مزید بڑے چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔
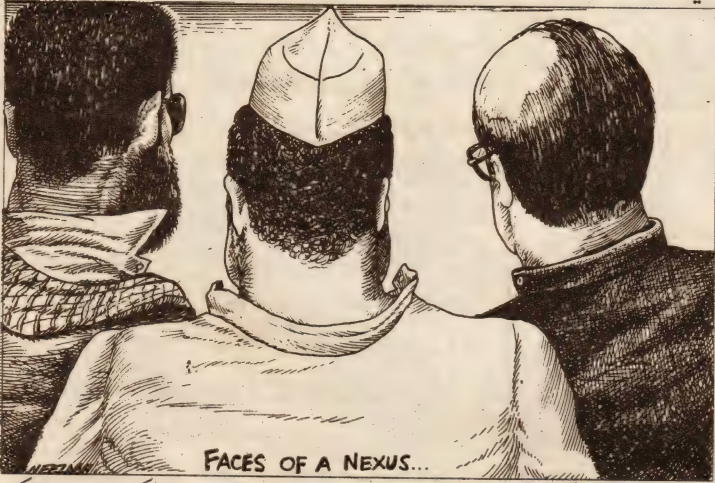
FACES OF A NEXUS...

ھندو رسوم و رواج کو اسلام سمجھنے والی ایک مسلم بستی

دربھنگہ سے اشفاق عالم نفیس کی رپورٹ

بہار کے شمالی حصے میں نیپال کی سرحد سے متصل ضلع سیتامڑھی کے بیرگنیاں بلاک سے 9 کلو میٹر جنوب میں دریائے لال بکیا کے مشرقی و شمالی ساحل پر آباد ایک بستی جموا گھاٹ اور جموا بازار کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں آٹھ ہزار کے قریب ہندو آباد ہیں اور ڈیڑھ سو کے قریب مسلمان۔ یہاں ہندوؤں کی کئی عبادت گاہیں ہیں مگر مسلمانوں کے پاس نہ مسجد ہے نہ مکتب، نہ عیدگاہ ہے اور نہ قبرستان۔

مسلمانوں کی یہ آبادی صد فیصد ناخواندہ اور مفلوک الحال لوگوں پر مشتمل ہے۔ ان کی اکثریت کا ذریعہ معاش گاؤں کے زمینداروں کی مزدوری ہے۔ کچھ افراد معمولی سطح پر کپڑا سلنے کا کام کرتے ہیں اور کچھ افراد روئی دھننے (لحاف بنانے) کا کام کرتے ہیں اور کچھ حقہ بنا کر بیچتے ہیں اور کچھ ملکی شراب بیچتے ہیں۔ ان کی عورتیں برادران وطن کے یہاں برتن دھونے کا کام کرتی ہیں اور ان کے بچے جانوروں کو کھلانے اور گندگی صاف کرنے کی نوکری کرتے ہیں۔ یہاں ایسے بہت کم افراد ہیں جن کو ٹھیک ڈھنگ سے کلمہ طیبہ بھی یاد ہو۔ ایک بھی ایسا فرد نہیں ہے جس کو قرآن مجید پڑھنا آتا ہو۔ یہ لوگ عیدین کی نماز پاس کی بستی میں جاکر ادا کرتے ہیں۔ اور مجموعی طور پر یہی ان کے مسلمان ہونے کی شناخت ہے۔ ورنہ یہ نہ تو نماز جمعہ ادا کرتے ہیں اور نہ رمضان کے روزے رکھتے ہیں۔ اور نہ ان کے یہاں اذان کی صدا ہی بلند ہوتی ہے۔ شادیوں میں نکاح کو چھوڑ کر باقی سارے رسم و رواج ہندوؤں کی طرح ہی ہوتے ہیں۔ کسی کی موت ہونے پر پاس کی بستی میں جاکر نماز جنازہ اور کفن دفن کرتے ہیں مگر اس کے بعد ہندوؤں کی طرح درجنوں رسم و رواج ادا کرتے ہیں۔ یہ ہندوانہ تہذیب و تمدن میں بالکل ہی رنگ چکے ہیں۔ ان کی اکثریت وہ سارے تہوار کرتی ہے جو ہندوؤں کے مذہبی تہوار ہیں۔ ان کے لباس، ان کی زبان اور ان کے رہن سہن کا انداز بالکل ہندوانہ ہے۔ ان کے اور ان کے بچوں کے نام ہندوؤں سے ملتے جلتے ہیں۔ یہی نہیں ان کی عورتیں دیوتاؤں کی منتیں مان کر ان پر پھول اور مٹھائیاں بھی چڑھاتی ہیں۔

> یہاں ایسے بہت کم افراد ہیں جن کو ٹھیک ڈھنگ سے کلمہ طیبہ بھی یاد ہو۔ ایک بھی ایسا فرد نہیں ہے جس کو قرآن مجید پڑھنا آتا ہو۔ یہ لوگ عیدین کی نماز پاس کی بستی میں جاکر ادا کرتے ہیں۔ اور مجموعی طور پر یہی ان کے مسلمان ہونے کی شناخت ہے۔

اس بستی کے اردگرد مسلمانوں کی قابل ذکر آبادیاں ہیں اور درجنوں تعلیمی ادارے ہیں۔ اس کے باوجود یہ بستی تاریکی سے گھری ہوئی ہے۔

یہ تلخ حقیقت ہے جسے تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ آج تک ان لوگوں کے پاس نہ کوئی عالم دین آیا اور نہ کسی نے ان کے حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کی۔ قرب و جوار کے مدارس کے علماء کرام نے کبھی ان مسلمانوں کو سمجھانے اور راہ راست پر لانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ شاید انہیں فرصت ہی نہیں ملتی۔

ہندوؤں کی اس کثیر آبادی میں اپنے آپ کو مسلمان ہونے کا دعوی کرنے والی یہ تھوڑی سی آبادی ایسا نہیں ہے کہ اسلام جانتا ہی نہیں چاہتی۔ بلکہ ان کے کچھ افراد اسلام کی باتیں جاننے، اسلام کو اس کی اصلی شکل میں پہچاننے، اپنے بچوں کو مذہبی تعلیم دلوانے، مسجد و مکتب قائم کرنے اور مکمل مسلمان ہونے کے لئے کچھ بیدار نظر آتے ہیں۔ مگر جب وہ اپنے وسائل اور مالی حالت پر نظر ڈالتے ہیں تو اپنی موجودہ حالت میں ہی رہنا عافیت سمجھتے ہیں۔ ان کے ایک دو افراد نے اس سمت میں قدم بڑھایا مگر ناکام ہوئے کیونکہ مفلسی ان سے ایسے لپٹی ہوئی ہے جیسے جسم سے چمڑی۔

ان کی اکثریت اسی رنگ میں زندہ رہنا چاہتی ہے۔ بلکہ اس خلط ملط رنگ کو ہی اسلامی رنگ سمجھتی ہے۔ کیونکہ ان کو اپنے آباء و اجداد سے ورثہ میں اسی قسم کا اسلام ملتا آیا ہے۔ بلکہ دن بدن اس میں غیر اسلامی رسم و رواج ملتے رہے ہیں۔ اور اگر یہی حال رہا تو وہ دن دور نہیں جب وہ مکمل طور پر اسلام سے خارج ہوجائیں اور برادران وطن انہیں اپنا ہم مذہب تصور کرنے لگیں۔

بقیہ: مختلف مذاہب کی بے شمار طالبات

بعض یہودی، سکھ اور ہندو طلبہ تنظیموں نے نیشنل یونین آف اسٹوڈنٹس سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ یونیورسٹیوں میں حزب التحریر پر پابندی لگانے کے لئے آگے آئے۔ اسی کے ساتھ بعض گروپ اس ریلی میں کی گئی تقریروں کا مطالعہ کرکے یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ کیا نسلی تعلقات ایکٹ کے تحت حزب التحریر کے خلاف کوئی کارروائی ممکن ہے؟

ان اعتراضات اور احتجاجوں سے اتنی بات واضح ہے کہ حزب التحریر کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے اسلام مخالف طاقتیں کافی خوفزدہ ہیں اور انہوں نے اس کے خلاف سازشوں کا جال بننا شروع بھی کردیا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر حزب التحریر کو کافی دانشمندی اور حکمت سے کام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ برطانوی سماج میں وہ تبلیغ اسلام کے کام کو بغیر کسی رکاوٹ اور پریشانی کے جاری رکھ سکے۔

بقیہ: فقہی سوال و جواب

جاتا ہے اور انہیں لے کر طواف و سعی اور دیگر مناسک ادا کئے جاتے ہیں۔ ایک عورت نے کسی بچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا اس کے لئے حج ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اور اس کا اجر تمہیں ملے گا۔

مسلمانوں کو ضرورت ہے عاقبت اندیش مسلم قیادت کی

مسجد کی مرکزی حیثیت اپنی جگہ پر لیکن تعلیمی اداروں کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا

تحریر: ایم۔ ایل۔ کوترو۔ سابق ایڈیٹر انگریزی روزنامہ اسٹیٹس مین

یہ کالم ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل سے متعلق مسلم و غیر مسلم دانشوروں کے مضامین کے لئے وقف ہے۔ اس میں مختلف مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے دانشوروں کے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔ ان مضامین میں پیش کردہ نقطہ نظر سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

ایک عرصے سے میں اپنے اس خیال پر قائم ہوں کہ ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت کو اس سوال پر خود کو ٹٹولنا چاہئے کہ ملک کی آزادی کے پچاس سال بعد اس کا مقدر و مستقبل موضوع گفتگو کیوں بنا ہوا ہے۔ اور میں اس خیال سے بھی متفق ہوں کہ چودہ کروڑ نفوس پر مشتمل مسلم اقلیت اپنی بدحالی کی خود ذمہ دار ہے۔ تاہم اس بدحالی کے عام مسلمان کے مقابلے میں کہیں زیادہ جواب دہ وہ افراد ہیں جو بظاہر خود کو اس فرقے کے نمائندے کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں اور بیشتر ان پارٹیوں کے اشاروں پر جو اپنے اندر ان کی شمولیت کو فائدہ مند تصور کرتی ہیں مذہب کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کو راہ حق پر لگانے کا ڈھونگ رچاتے ہیں حالانکہ ان سب ہتھکنڈوں کا مقصد اپنا الو سیدھا کرنا ہوتا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ مسلم فرقہ ایسے کسی نوجوان لیڈر کو پروان چڑھانے میں ناکام رہا ہے جسے اس کی فلاح و بہبود اور قوم کی ترقی سے لگاؤ ہو۔ خود کو لیڈر کہلانے والے افراد خواہ وہ مقدس کتابوں کی دہائی دیں، کانگریس پارٹی کے بیس نکاتی پروگرام کی تشہیر کریں یا اکھنڈ بھارت کا نعرہ لگائیں سب اپنی غرض کے بندے ہیں۔ مسلم عوام کا یہ حال ہے کہ کٹر مذہب پرستوں، کانگریس، سماج وادی پارٹی، بہوجن سماج پارٹی یا مارکسسٹ کے ممبر کا استقبال یکساں گرم جوشی سے کرتے ہیں۔ تقریباً چار دہائیوں سے اس قسم کے مسلمان لیڈروں کا تسلط رہا ہے۔ کوئی مسلم نوجوان لیڈر شاذ و نادر ہی نظر آئے گا جو کم از کم اپنے فرقے کے لوگوں میں عزم و اعتماد جگا سکے دیگر طبقوں کو متاثر کرنا تو بڑی دور کی بات ہے۔ گذشتہ پانچ دہائیوں کی تاریخ شاہد ہے کہ کمزور اور بے سروسامان مسلم اقلیت نے اقتدار کے ایوانوں میں موثر رسائی رکھنے والے لیڈروں کی حمایت کی روایت پر عمل کیا ہے۔ اگر اگلے ہی دن ان پر یہ آشکار ہو جائے کہ جن لوگوں پر انہوں نے اعتماد کیا تھا وہ ان سے کئے گئے وعدہ کا پابند نہیں رہ سکے گا تو وہ کچھ اور کرنے کے بجائے اپنے مذہب و عقیدے کی طرف ہی مراجعت کرتے ہیں۔ اور یہیں وہ پکے ہوئے آم کی طرح ان مذہبی موقع پرستوں کی گود میں آکر گرتے ہیں جو بظاہر ان کے زخموں پر ہمدردی کا مرہم رکھتے ہوئے مرکزی دھارے سے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں مرکزی دھارے سے میری مراد وہ مرکزی دھارا نہیں ہے جس یکا نعرہ کانگریس بی جے پی اور

یہاں مرکزی دھارے سے میری مراد وہ مرکزی دھارا نہیں ہے جس یکا نعرہ کانگریس بی جے پی اور کمیونسٹ پارٹی لگاتی رہتی ہے بلکہ ہندوستانیت کا دھارا ہے جس میں ایسے پراعتماد اور وطن پرست افراد کی شرکت ہو جنہیں ملک سے وفاداری کے ثبوت کے طور پر بال ٹھاکرے کا سرٹیفکٹ درکار نہیں۔

> بندوق سے مسلح ہونے کا مشورہ دینا کسی فرقے کی خدمت کے بجائے اس کی بدخواہی کے مترادف ہوگا۔ صحیح معنوں میں جس چیز کی ضرورت مسلم اقلیت کو ہے وہ ہے عاقبت اندیش قیادت کی جو ملت کے افراد کی صلاحیتوں کو ملک و قوم کی ترقی کے لئے مفید سرگرمیوں میں لگاسکے۔

دراصل اس موضوع پر قلم اٹھانے کی تحریک مجھے پرجوش وزیر مملکت برائے خارجی امور جناب سلمان خورشید کے مسلم طلباء کے ساتھ ہوئی ایک کلوزڈ ڈور میٹنگ میں دئے گئے بیان سے ملی ہے۔ وزیر موصوف نے جس انداز فکر کا اظہار کیا اس کا مدعا یہ تھا کہ اگر مسلمانوں نے بزدلی کا مظاہرہ نہ کیا ہوتا تو بمبئی کا فساد نہ ہوا ہوتا۔ ان کی بزدلی کی وجہ سے ہزاروں مسلمان فسادات میں جاں بحق ہو گئے۔ اگر ملک کے چودہ کروڑ مسلمان ایک منظم حیثیت اختیار کرلیں تو ان کی جان لینا تو درکنار کوئی ان کی طرف غلط نگاہ بھی نہیں اٹھا سکتا۔ اس سیاق میں انہوں نے خود اپنے انتخابی حلقے اور سابق صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین کی جائے پیدائش قائم گنج کا حوالہ دیا جہاں ہر شخص کے کندھے سے بندوق لٹکتی رہتی ہے اور میں اس کا عینی شاہد ہوں کیونکہ مجھے سلمان خورشید صاحب کے چچا غلام ربانی تاباں مرحوم کی ہمراہی میں ایک بار قائم گنج جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ اس وقت چونکہ اس علاقے میں ڈکیتی، لوٹ مار اور اغوا کی وارداتوں کا دور دورہ تھا اس لئے ہر شخص کے لئے بندوق رکھنا ضروری تھا

مجھے امید ہے کہ سلمان خورشید نے مسلم فرقے کو جو خود کو مسلح کرنے کا مشورہ دیا ہے اس کا غلط مطلب نکالا جارہا ہے۔ بندوق سے مسلح ہونے کا مشورہ دینا کسی فرقے کی خدمت کے بجائے اس کی بدخواہی کے مترادف ہوگا۔ صحیح معنوں میں جس چیز کی ضرورت مسلم اقلیت کو ہے وہ ہے عاقبت اندیش قیادت کی جو ملت کے افراد کی صلاحیتوں کو ملک و قوم کی ترقی کے لئے مفید سرگرمیوں میں لگاسکے۔ یہ قیادت ایسی نہ ہو کہ فرقے کو ووٹ بینک کے طور پر استعمال کرکے اپنے مفادات کی تکمیل کرے۔ اس طرح کے قائدین کے ہاتھوں مسلمانوں کی تین نسلوں کا استحصال ہوتا رہا ہے ہندوستان کی تاریخ میں تنہا نام رفیع احمد قدوائی کا ہے جن کے مداح یکساں طور پر ہندو اور مسلمان دونوں تھے۔ ان کے بعد ہندوستانی مسلمانوں میں سے کوئی لیڈر سامنے نہیں آیا جو آفاقی قدر و احترام کا حامل ہو۔ اس میں شک نہیں کہ کشمیر میں شیخ عبداللہ کو منفرد مقام حاصل تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ خود ریاست کے اندر ان کی بنیاد بہت مضبوط تھی اور ان کی زندگی میں ان کے حامیان کی وفاداری میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔ اس سے بڑھ کر کشمیری عوام کی فلاح و بہبود کے مقصد سے وابستگی بھی ان کی مقبولیت کا ایک بڑا سبب تھی۔ 1920ء کی دہائی میں علی گڑھ سے تعلیم مکمل کرکے وطن واپسی پر انہوں نے عیش و آرام کی زندگی نہیں گذاری بلکہ عوام کے ساتھ اپنے مقدر کا رشتہ جوڑ کر ان کی امیدوں اور آرزوؤں کی ترجمانی کی اور مہاراجہ کے ہاتھوں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ جناب سلمان خورشید اور ان کی نسل کے لوگ عوام کی آرزوؤں کی تکمیل میں مثبت کردار ادا کرسکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ سلمانوں کا خصوصاً اور تمام ہندوستانیوں کا عموماً سردست سب سے بڑا مسئلہ تعلیم کا حصول اور معیار زندگی کی بہتری ہے۔ آج سے کئی دہائیوں قبل سرسید احمد خاں کی نگاہیں تعلیم کی اہمیت کو

> مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ تعلیم کا حصول اور معیار زندگی کی بہتری ہے۔ آج سے کئی دہائیوں قبل سرسید احمد خاں کی نگاہیں تعلیم کی اہمیت کو بھانپ سکتی تھیں تو موجودہ مسلم قیادت کو تعلیم کی اہمیت کا احساس دلانے میں کیا چیز مانع ہے۔

بقیہ صفحہ ۱۵ پر

کابل میں واقع دنیا کا سب سے قیمتی میوزیم لٹیروں کے ہتھے چڑھ گیا

کابل میں واقع افغانستان کا قومی میوزیم، جو کبھی وسطی اور مغربی ایشیا کے نوادارت کے تعلق سے دنیا کا سب سے بڑا ذخیرہ تھا، آج لٹ چکا ہے۔ بیشتر مصنوعات سوئٹزرلینڈ پہنچا دی گئی ہیں اور اس سے قبل ان کی دستاویزی حیثیت تبدیل کردی گئی۔ ان میں دوسری صدی قبل مسیح کی دیویوں کی قیمتی مورتیاں اور دو ہزار سال پرانے سونے اور چاندی کے سکے بھی شامل ہیں۔

1939ء میں اس بیگرام کلکشن کی تحقیق ہوئی تھی مگر اب اس کا وجود ختم ہوچکا ہے۔ کابل سے چھ میل دور دارالامان ضلع میں واقع اس میوزیم کے آس پاس اپریل 1992ء سے ہی جنگ جاری ہے۔ مئی 1993ء میں راکٹوں نے اس کی چھتوں کو نشانہ بنایا۔ جس کی بنا پر اوپری منزل کی گیلری جل کر خاک ہوگئی۔ میوزیم کی دیکھ ریکھ کرنے والے 37 سالہ نجیب اللہ پوپل نے بچے کھچے نوادرات کو میوزیم کی محراب کے نیچے لاکر یکجا کردیا ہے۔ کیونکہ میوزیم تباہ و برباد ہوگیا ہے۔ محراب میں اسٹیل کے دروازے لگے ہیں لیکن وہ لٹیروں کو نہیں روک سکے اور پاکستان و افغانستان کے کئی ڈیلروں نے یہاں کی قیمتی اشیاء کو چوری کرکے بیچ دیا۔ پورا میوزیم تباہی کا آئینہ دار ہے۔ قیمتی اشیا چوری کرلی گئی ہیں اور کم قیمتی یا ناقابل نقل و حمل اشیاء کو تباہ کردیا گیا ہے۔ دروازوں اور دیواروں کو دھماکوں سے اڑا دیا گیا ہے۔ کسی زمانے میں چالیس ہزار سونے اور چاندی کے سکوں والا خزانہ خالی پڑا ہوا ہے۔ ایک مغربی سفارت کار کا کہنا ہے کہ افغانستان میں ہیروئن کے بعد نوادرات کی فروخت سے سب سے زیادہ آمدنی ہوتی ہے۔

میوزیم کی 90 فیصد اشیاء چوری ہوگئی ہیں۔ افغانستان کے وزیر اطلاعات و ثقافت کا دعوی ہے کہ افغانستان اور وسط ایشیا کی پچاس ہزار سالہ تاریخ کا احاطہ کرنے والا یہ میوزیم اس خطے کا سب سے قیمتی میوزیم تھا۔ اس میں ہندو مسلم اور بدھشٹ دور کی بیکٹرین، کشن اور قندھار تہذیبوں سے وابستہ مورتیوں، مصوری، سکوں، سونے چاندی، زیورات اور لباسوں کا یہ ذخیرہ سب سے انوکھا تھا۔ مجاہدین اور سوویت فوج میں دس سال تک چلنے والی جنگ میں کہا گیا کہ سوویت فوجوں نے اس میوزیم کو تباہ و برباد کیا تھا۔ لیکن افغانستان کے ایک ماہر اور میوزیم کے بارے میں شائع واحد کتاب کے مصنف نانسی ہیچ ڈپری کا کہنا ہے کہ یہ غلط ہے۔ ایک دوسرے ماہر کا کہنا ہے کہ قیمتی نوادرات کا بیس فیصد دوسرے ممالک کو فروخت کردیا گیا ہے۔ بقیہ اشیا پاکستان اور افغانستان میں خریداروں کا انتظار کررہی ہیں۔
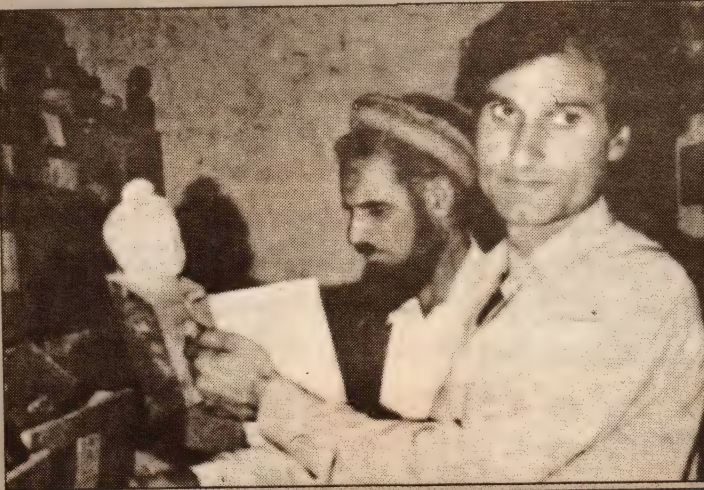
نجیب اللہ پوپل بچے کھچے نوادرات کے ساتھ

بیگرام کشن دور کے حکمراں راجہ کنشک کی راجدھانی کیپیسا کے قریب اور کابل سے چالیس کلو میٹر شمال میں واقع ہے۔ دوسری صدی قبل مسیح میں یہ علاقہ انتہائی اہمیت کا حامل تھا۔ اور روم، چین وغیرہ کے لوگ آزادانہ طور پر اس خطے میں آمد و رفت جاری رکھے ہوئے تھے۔ یہ خزانہ قزاقوں کی فہرست میں سب سے اوپر تھا۔ اس میں روم، چین، جاپان، یونان، ہندوستان اور وسط ایشیا کے نوادرات تھے۔ سب سے خوبصورت تانبے کی سو یا اس سے زائد ہندوستانی مورتیاں تھیں۔ جن میں سے کئی رقص کناں دیویاں تھیں۔ یہ مورتیاں پشاور کے راستے سے اسلام آباد اور مزار شریف لائی گئیں۔ ذرائع کے مطابق ان کے بارے میں یہ جھوٹ گھڑا گیا کہ یہ پرائیویٹ اشیاء ہیں۔ زیادہ تر لندن میں ایک جاپانی کلکشن کو چار لاکھ پونڈ میں فروخت کی گئیں۔ کئی درجن اب بھی اسلام آباد میں ہیں۔ ذرائع کے مطابق بچی ہوئی اشیا میں سے ایک ایک کی قیمت کم از کم 23۔24 ہزار پونڈ سے کم نہیں ہے۔ بہت سی اشیاء عرب اور خلیجی ریاستوں میں بھی بھیجی گئی ہیں۔

مرکز تعلیم بالغاں کا قیام

بھارتیہ ایکتا کمیٹی کے زیر اہتمام نئے تعلیمی سال 1995ء کے آغاز پر مرکز تعلیم بالغاں سینٹر نیو گنیش پارک رشید مارکیٹ دہلی 51 میں قائم کیا گیا ہے سینٹر میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء اور بزرگ حضرات کو مطلع کیا جاتا ہے کہ مرکز تعلیم بالغاں میں اردو، ہندی، عربی، فارسی اور انگریزی کی مفت تعلیم حاصل کرنے کے لئے خواہشمند حضرات اپنے داخلہ فارم بھر سکتے ہیں اس سینٹر میں ہر مذہب کے لوگوں کو تعلیم حاصل کرنے کا حق حاصل ہوگا اور تعلیم بالغان کا خرچ اسٹیشنری خود ایکتا کمیٹی برداشت کرتی ہے۔

قاری محمد یاسین۔ جنرل سکریٹری
بھارتیہ ایکتا کمیٹی دہلی

اردو صحافت میں بہترین اضافہ

عرصہ دراز سے ایک ایسے اخبار کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی جو امت کا ترجمان ہو سکے۔ ملی ٹائمز اسی سلسلے میں آگے بڑھ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی عمر دراز فرمائے اور امت کا تعاون مل سکے۔

ملی ٹائمز کے سلسلے میں کچھ مشورے عرض کر رہا ہوں۔

1۔ اس کے تمام مضامین الحمدللہ معلومات خیز رہتے ہیں۔ بین الاقوامی اسلامی تحریکات کے متعلق کافی معلومات رہتی ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان محرکات میں ہم بھی شامل ہیں۔

2۔ ہندوستان میں غلبہ اسلام کی جدوجہد اور امت کے احیاء کے لئے امت کو ایک متعین راستہ بتانے کی ضرورت ہے۔ اس لئے آپ کچھ صفحات ہندوستان میں غلبہ اسلام کے امکانات، طریق کار کے لئے مختص کردیں۔ چونکہ ملی ٹائمز ملی پارلیامنٹ کا ترجمان ہے۔ اس لئے قائد ملی پارلیامنٹ جناب راشد شاذ کا مستقل صفحہ ہونا چاہئے۔ تاکہ ملی پارلیامنٹ کی سوچ اور لائحہ عمل امت کے سامنے واضح شکل میں آتے رہیں۔

3۔ ملی ٹائمز کا آخری صفحہ الحمدللہ نہایت اچھا رہتا ہے۔ اس صفحہ کو اسی انداز میں لکھتے رہیں اور مختلف موضوعات پر قلم اٹھاتے رہیں۔

4۔ فی الحال یہ پندرہ روزہ ہے، اس کو 15 روزہ ہی رہنے دیجئے۔ چونکہ اخبارات نکالنا نہایت مشکل کام ہے۔ اس کی اشاعت میں تسلسل رکھنا ضروری ہے۔ اگر وسائل مختصر ہیں تو اس کو ماہانہ شکل دیں۔ بہرحال ہر صورت میں اس کو جاری رکھیں۔

محمد زماں خاں، ہبلی، دھارواڑ (کرناٹک)

ملی پارلیامنٹ کا قدم قابل ستائش

بوسنیا کے مسئلے پر عالمی برادری، خصوصاً مغرب، جس شقی القلبی کا اور بے حسی کا مظاہرہ کر رہا ہے وہ انسانیت کے لئے باعث شرم ہے۔ نام نہاد حقوق انسانی کے نام پر ہر کسی کو اپنا نشانہ بنانے والا مغرب بوسنیائی حکومت کو اپنے دفاع کا حق بھی دینے کو تیار نہیں ہیں۔

یورپ کے آنگن میں جو سوچا سمجھا اور منصوبہ بند خونی ڈرامہ دنیا کو دکھایا جا رہا ہے اس کا نتیجہ کسی بھی طرح اچھا نہیں نکل سکتا۔ اقوام متحدہ سے ہم کسی بھی طرح کی توقع نہیں رکھتے لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ آرگنائزیشن آف اسلامک کنٹریز بھی اس معاملے میں قراردادیں پاس کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کر رہی ہے۔ اس کو چاہئے کہ مسلح مجاہدوں کے گروہوں کو بوسنیا کی طرف روانہ کرے

اس ضمن میں ملی پارلیامنٹ کے ذریعہ اٹھایا قدم قابل ستائش اور حوصلہ افزا ہے۔

محمد کامل رضا
جامعۃ الفلاح بلیریا گنج، اعظم گڑھ (یوپی)

آپ نے انوکھے میاں کو چھوڑ دیا

آپ نے امیر الہند۔ بڑے میاں و چھوٹے میاں پر انوکھے انداز میں تبصرہ کیا بہت پسند آیا۔ مگر آپ نے ان انوکھے میاں کو چھوڑ دیا جنھوں نے 26 اگست کو بہت بڑی طوفانی کانفرنس دلی میں کی ہے۔ شاید آپ کو یاد ہوگا کہ بابری مسجد کی شہادت کے موقعہ پر انوکھے میاں نے فرمایا تھا کہ گھر میں چپ چاپ بیٹھیں اور دعا کریں گویا احتجاج سے بھی محروم کرنا چاہتے تھے۔ اب الیکشن آرہا ہے۔ اپنا بھاؤ و طاقت کانفرنس کے ذریعہ دکھلانا چاہتے ہیں۔

عبدالرقیب۔ کلامو۔ جام نگر (گجرات)

بھاگل پور کے ملزموں کو فوری طور پر سزا دی جائے

مونس تنظیم کے قومی جنرل سکریٹری محمد کمال الظفر و سکریٹری عبدالمنان ایڈوکیٹ پٹنہ ہائی کورٹ نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ بھاگل پور کے بھیانک فسادات کے سلسلہ میں جو تحقیقاتی کمیشن کی بہار رپورٹ آئی ہے اس پر فوری طور پر عمل کرتے ہوئے ملوث مجرم اور افسران کے خلاف سخت کارروائی کی جائے۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ منظر عام پر آنے کے بعد ملوث عہدیداران کو فوری طور پر معطل کیا جاتا ہے لیکن یہ افسوسناک عمل ہے کہ حکومت نے صرف تین افراد کے خلاف نوٹس جاری کیا ہے۔ کمیشن کی رپورٹ یہ بتاتی ہے کہ موجودہ ڈی۔ جی پی اور سابق ایس پی دویدی نے مشترکہ طور پر بھاگل پور کے مسلمانوں کو تباہ کرنے کا عزم کیا تھا جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔

مونس تنظیم موجودہ حکومت سے پرزور مطالبہ کرتی ہے کہ بھاگل پور فساد کے مجرموں کو جنھوں نے ہندوستان کو دنیا بھر میں رسوا کیا ہے فوری طور پر سزا دے تاکہ انصاف کا معیار بلند ہو۔

دریں اثناء مونس تنظیم گیا کے دفتر محلہ نیو کریم گنج میں گذشتہ دنوں ڈاکٹر احمد حسین آزاد صدر مونس گیا کی صدارت میں مونس کے اراکین و معززین گیا کی ایک خصوصی نشست ہوئی۔ اس نشست سے خطاب کرتے ہوئے محمد کمال الظفر نے پٹنہ میں ملی پارلیامنٹ کی جانب سے منعقد ہونے والے کل ہند اجلاس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی اور مجوزہ کانفرنس کی ابتدائی تیاریوں کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔ واضح ہو کہ ملی پارلیامنٹ کا پٹنہ اجلاس جو ماہ ستمبر میں ہو رہا ہے اس کا اہتمام مونس تنظیم کر رہی ہے۔ میٹنگ سے خطاب کرتے ہوئے جناب مسعود منظر ایڈوکیٹ نے کہا کہ مونس کے ذریعہ جو بھی اجلاس ہوگا اسے گیا کے شہری ضرور کامیاب بنائیں گے۔ جناب عطاء الرحمن ایڈوکیٹ صدر مسلم لیگ بہار نے کہا کہ ہمیں مونس تنظیم سے ہمدردی اس لئے ہے کہ مونس نے اپنے قیام کے بعد سے آج تک ملی مفاد سے ہٹ کر کوئی کام نہیں کیا ہے لہٰذا ہم اسے اپنا تعاون دیتے رہیں گے۔ سید احمد قادری جنرل سکریٹری مونس گیا، سید افضل شیر سکریٹری مونس گیا اور قمر وارثی نے ڈمریا امام گنج، پلاموں میں ہوئے قتل عام کے سلسلہ میں حکومت کی بے توجہی اور سرد مہری پر سخت افسوس کا اظہار کیا۔ پروفیسر احمد حسین آزاد نے بال ٹھاکرے کے حج سے متعلق حالیہ بیان پر سخت تشویش کا اظہار کیا۔

میٹنگ کے اہم شرکاء میں مذکورہ افراد کے علاوہ جناب آصف رضا، جناب سلطان احمد، جناب شمیم اختر، جناب سلیم اشرف اور جناب انوار احمد قابل ذکر ہیں۔

آفس سکریٹری۔ مونس۔ پٹنہ

بہار میں 'مسلم سینا' کا قیام

"مسلم سینا" کے بانی و صدر محمد اکبر علی پرویز نے ایک خصوصی ملاقات کے دوران بتایا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی ملک گیر پیمانے پر جو بھی اجتماعی پریشانیاں ہیں ان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا مسلم سینا کا فرض اولین ہے حالانکہ ہمارے ملک میں ایسی کئی پارٹیاں ہیں جو قوم کے مفاد کی تکمیل کی غرض سے معرض وجود میں آئی ہیں، مگر انھیں اپنے مقصد کے حصول میں کہاں تک کامیابی ملی ہے یہ اظہر من الشمس ہے۔ لیکن ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ یہ تنظیم قوم و ملک کے مفاد میں اپنا لائحہ عمل تیار کرے گی۔

مظہر امام تابش۔ مظفر پور

کشتواڑ میں فوج کی زیادتی

14 اگست 1995ء کو کشتواڑ میں تعینات آر آر کے ہتھیار بند جوانوں نے اس شک میں کہ شاید یہاں کے مسلمان پاکستان کا یوم آزادی منائیں گے، سبز پرچم لہرائیں گے، ہلر، جیرباڑ، بوچھال اور سنگرام بھاٹہ میں جہاں مسلمانوں کی خاصی تعداد بستی ہے گئے اور تمام بچوں، نوجوانوں، بوڑھوں کو جمع کیا اور ان سے زبردستی مظاہرے کرائے گئے۔ پاکستان اور ملی ٹینسی کے خلاف نعرہ بازی کرائی گئی۔ و بے نظیر اور پاکستان کے پتلے جلوائے گئے۔ ان لوگوں سے کہا گیا کہ سیاہ جھنڈہ ہر مسلم مکان پر لہرایا جائے۔

15 اگست کو پھر ان لوگوں کو جمع کیا گیا اور سرکاری پروگرام کے علاوہ ان سے ترنگا لہروایا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان گاؤں کے لوگوں کے مطابق وہاں 14 اگست یعنی یوم پاکستان کی تقریب نہیں ہونی تھی مگر سیکورٹی عملہ نے خود آکر لوگوں کو ستا کر، تنگ کرکے یاد دلایا کہ آج کوئی خاص دن ہے۔ اس طرح کی کارروائی سے ہر مسلمان ناراض ہو چکا ہے اور سیکولر غیر مسلم حضرات بھی اس زیادتی پر برہم نظر آتے ہیں۔

مشتاق احمد دیو مشتاق
زمزم میڈیکل شاپ کشتواڑ، ضلع ڈوڈہ (جموں و کشمیر)

تعلیمی پسماندگی دور کرنے کے لئے ایک مثبت قدم

گذشتہ دنوں آل انڈیا ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی رامپور کا ایک اہم اجلاس زیر صدارت جناب حکیم عمر حیات خاں نیازی امروہوی سوسائٹی کے ہیڈ آفس واقع محلہ گوجر ٹولہ ہال ودیا ہاؤس منعقد ہوا۔ واضح ہو کہ یہ سوسائٹی مسلسل تین سال سے تعلیمی بلندی کے لئے سرگرم عمل ہے۔ اس کے دائرہ کار کو پورے ملک اور خاص طور پر ان علاقوں میں وسیع بنانے کی ضرورت محسوس کی گئی کہ جہاں جہاں ہمارے عوام اور خاص کر اقلیتی طبقہ کے لوگ تعلیمی پسماندگی اور معاشی بدحالی میں مبتلا ہیں۔ اجلاس میں گرتے ہوئے تعلیمی معیار اور تعلیمی اداروں کے فقدان پر گہرائی سے تبادلہ خیال ہوا۔ نیز اقلیتوں میں تعلیمی نظام کو موثر بنانے کے لئے مفید لائحہ عمل مرتب کئے گئے اور جلد ہی سوسائٹی کی شاخوں کے ذریعہ بک بینکس اور فیس فنڈ کے قیام کا فیصلہ کیا گیا تاکہ غریب و نادار طلباء و طالبات کی مدد کرکے ان کی تعلیم کو جاری رکھا جاسکے۔ اور اعلیٰ تعلیم کے لئے وظائف کا معقول انتظام کیا جاسکے۔

عبدالسلام خاں جنرل سکریٹری
آل انڈیا ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی رام پور

حیرت انگیز انکشاف کو دماغ قبول کرنے کو تیار نہیں

ہفت روزہ " ٹائمز" میں ایک مضمون آخری صفحہ پر "حیرت انگیز انکشاف" پڑھا۔ اس انکشاف کو دماغ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ کیونکہ آج سے پہلے اس پراسرار مقام کو تلاش کرنے کے لئے سائنسدانوں نے جو طریقے اپنائے ان کے بارے میں کسی اخبار میں نہ تو پڑھا نہ ہی کسی خبر میں سنا۔ آج اچانک یہ انکشاف سامنے آگیا۔ یہ کیسا جادو ہے؟

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ "ابلیس ملعون" چونکہ قوم جنات میں سے ہے اس نے اپنا ہیڈ کوارٹر کہیں بھی بنایا ہوا ہو اس سے کوئی بحث نہیں۔ لیکن اس کی کابینہ میں جتنے بھی ممبران یا ساتھی ہوں گے وہ بھی تو قوم جنات میں سے ہی ہوں گے۔ اور اس کے ہیڈ کوارٹر سے "ابلیس ملعون" کے خلاف جو بھی ممبر منصوبہ بنا کر بھاگے گا۔ تو وہ اپنی ہی قوم میں تو جاکر پناہ لے گا۔ "ابلیس ملعون" کے ساتھی کا انسانوں میں آکر پناہ لینا چہ معنی دارد، یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "ابلیس ملعون" بین الاقوامی سطح پر کوئی نیا فتنہ پھیلانا چاہتا ہے۔ یا پھر یہ امریکہ کی اسلام کے خلاف کوئی سازش ہے۔ تیسری چیز یہ کہ جو فوٹو آپ نے پیش کیا ہے یہ فوٹو اگر آپ نے علامتی بنایا ہے تب تو اس پر کچھ کہنا بیکار ہے۔ لیکن اگر آپ اسے حقیقت سے تعبیر کرتے ہیں تو قطعی قرین قیاس نہیں کیونکہ اس پراسرار علاقے میں جب مضبوط سے مضبوط ترین طیارہ بھی جاتے ہی فنا ہو جاتا تھا تو یہ فوٹو کون کھینچ لایا؟

حکیم عمر حیات خاں نیازی امروہوی
نزد تحصیل امروہہ

بھاڑے کا امام ہمارا قائد نہیں ہوسکتا

پٹنہ اجلاس کے سلسلہ میں قا ملی پارلیامنٹ کا "ایک اہم پیغام" دیکھنے اور پڑھنے کا اتفاق ہوا اور اچھا خاصا متاثر ہوا۔

اللہ کے آخری رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت آخری پیغام میں جلی حروف میں لکھا ہوا ہے یعنی مسلمانان عالم کو یہ دعا سکھلائی گئی ہے: یعنی اے ہمارے پروردگار ہمیں بھی متقیوں کا امام بنائیو! بھاڑے کا امام نہیں۔ اس دھوکہ میں کوئی نہ رہے کہ ہم خواہ کیسے ہی ہوں لیکن ہمارا امام متقی اور پرہیزگار ہونا چاہئے۔ تاکہ اس کے پیچھے ہماری بھی نماز ہو جائے۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں نماز پڑھنے والوں میں سے سبھوں کی نماز ہوگئی؟ نہیں، ہرگز نہیں، منافقوں کی نماز نہیں ہوئی۔ خود بھی متقی اور پرہیزگار بننا ہوگا جبھی ہماری نماز ہوگی۔

وہ بھاڑے کا امام جو دراصل ہمارا غلام ہے۔ یعنی تنخواہ پر مقرر ایک شرعی نوکر، وہ اگر وقت پر نماز پڑھنے نہ آئے۔ وہ بڑھ چڑھ کر بولنے کی کوشش کرے تو دودھ کی مکھی کی طرح نکال باہر کردیا جائے گا۔ تو وہ ہمارا امام ہے یا ہمارا غلام یاد رہے اور اچھی طرح یاد رہے کہ امام کے معنی ہیں لیڈر۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنے والے اس کی لیڈر شپ قبول کریں گے، یا کرتے ہیں۔ اس بھاڑے کے امام میں قوموں کی قیادت و سیادت اور امامت کی صلاحیت ہو سکتی ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں!

مظفر حسین (خطیب مسجد)
بازار حاجی گلی، مدھوپور (دیوگھر)

تو پھر ملک کا مستقبل تاریک ہے

کیا ہندوستان یا مہاراشٹر بال ٹھاکرے کی وراثت ہے کہ وہ جب چاہیں اور خاص کر کے حج پر جانے والے مسلم عوام اور بمبئی اور ہندوستان میں بسنے والے تمام مسلمانوں کو ڈراتے اور دھمکاتے رہیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے ہمیں کسی سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہندوستان میں بسنے والے تمام لوگوں کا ہندوستان پر برابر کا حق ہے۔ صوبائی اور مرکزی حکومت کو چاہئے کہ بمبئی اور ہندوستان کے تمام عوام کے حقوق کا تحفظ کرے اگر بال ٹھاکرے کو اسی طرح آزادی حاصل رہی تو ہندوستان کا مستقبل تاریک نظر آتا ہے۔

آفتاب عالم راہی
سندھی مارکیٹ، بھٹیارہ مسجد، کالوپور، احمد آباد

نشہ بندی کے اثرات

آندھرا پردیش میں مکمل نشہ بندی کے نفاذ کے بعد ضلع نظام آباد میں انسداد نشہ بندی کے تحت اب تک ایک کروڑ ساٹھ لاکھ 63 ہزار 844 روپئے مالیت کی اشیاء ضبط کرلی گئی ہیں۔ جبکہ ضلع میں شراب کی غیر قانونی منتقلی کو روکنے کے لئے پانچ چیک پوسٹ، چار چیک پوائنٹ اور تین موبائل پارٹی قائم کی گئی ہیں ضلع سے مہاراشٹر اور کرناٹک ریاستوں کی سرحدیں متصل ہونے کی وجہ سے ضلع میں غیر قانونی شراب کی منتقلی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس ضمن میں پانچ بسیں بشمول دو آر ٹی سی بسیں، بارہ کار، تین لاری، ایک سو تیس اسکوٹرس، ایک موپیڈ، ایک ٹرکٹر، ایک بیل بنڈی کو ضبط کرلیا گیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں جملہ آٹھ سو چوراسی افراد کو گرفتار کیا گیا ہے۔

محمد عبدالمتین
ملے پلی، نظام آباد

واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ کشمیر کو طاقت سے فتح نہیں کیا جاسکتا

وادی میں کشمیر ہی کا نہیں پورے ملک کا مستقبل داؤ پر لگا ہوا ہے

معاصر صحافت کے اس کالم میں ہم مسلم معاملات، سیاسی حالات اور دوسرے اہم موضوعات پر معروف اہل قلم اور صحافیوں کے مضامین شائع کرتے ہیں۔ یہ مضامین ہم مختلف قومی اخبارات سے منتخب کرتے ہیں۔ ان کی اشاعت کا مقصد یہ ہے کہ قارئین دوسرے اخبارات کے قلم کاروں کے نظریات و خیالات سے واقف ہوسکیں اور یہ جان سکیں کہ دوسری زبانوں کے اخبارات مذکورہ معاملات پر کیا موقف اختیار کررہے ہیں۔

وادی کشمیر میں حالیہ ترین خونی واقعات اس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ کشمیری عوام کی آزادی کی جدوجہد پر پابندیاں اور سخت کردی جائیں گی۔ چرار شریف کے واقعے نے ثابت کردیا ہے کہ مسلح جنگ جوؤں کی سرکوبی کے لئے ہندوستانی فوج ضرورت سے کہیں زیادہ طاقت استعمال کرسکتی ہے خواہ اس کے لئے بسی بسائی آبادیاں ہی تباہ کرنا یا مقدس مقامات کو نقصان ہی پہنچانا پڑے۔ کسی دہشت گرد گروہ کے ہاتھوں ایک نارویجی سیاح کے قتل اور باقی چار مغربی سیاحوں کی یرغمالی نے پوری دنیا کو شدید صدمے سے دوچار کیا ہے اور گذشتہ پانچ سالوں میں حد درجہ بدلی ہوئی صورت حال نے 1980ء کی دہائی میں مکمل آزادی کے قریب الحصول ہونے کی امید کو دھندلا دیا ہے۔ سابق سوویت یونین سے خود مختار ریاستوں کی علیحدگی نے بھی کشمیریوں کی عام امید کے برعکس کوئی نظیر قائم نہیں کی اور نہ ہی ہندوستانی فوج کو کشمیر سے انخلاء پر مجبور کرنے کی غرض سے پاکستانی تربیت یافتہ دراندازوں کو کشمیر بھیجنے میں کامیاب ہوسکا۔ ہندوستان نے یہ واضح کردیا ہے کہ وہ کشمیر کی علیحدگی کسی قیمت پر برداشت نہیں کرسکتا اور مقامی عوام کے جذبات کی طرف سے بے پروا ہوکر اسے کشمیر میں اپنی فوج تعینات رکھنی پڑے گی۔ کشمیریوں کی علیحدگی پسندی کو کسی بھی سطح پر مسئلہ کے حل کی حیثیت نہیں دی جارہی ہے۔ گویا کہ جموں وکشمیر کے کسی حصے کو بھی یہ امید نہیں رکھنی چاہئے کہ وہ ہندوستانی حکومت سے کسی معاہدے کے تحت علیحدہ ہونے کی اجازت دے دے گی۔ اور اس مسئلہ پر ایک طرف پاکستان ناکام رہا ہے تو دوسری طرف عالمی برادری نے کبھی کبھار کشمیر میں زیادتیوں پر ہندوستان کی تنقید ضرور کی ہے لیکن علیحدگی پسندی کی وکالت کی حد تک نہیں۔ اور پچھلے پانچ سال کے واقعات نے ثابت کردکھایا ہے کہ کشمیر کو طاقت سے فتح نہیں کیا جاسکتا اور ان سے یہ تلخ سبق بھی ملا ہے کہ آزادی کے انتخاب کے دروازے بند ہوچکے ہیں۔

> کشمیر کی شدید اور طویل جدوجہد یونہی بے سبب نہیں ہے۔ کشمیر کے حق خود مختاری کے عام اعتراف کے ساتھ یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ 1947ء میں ہندوستان کے ساتھ الحاق کے وقت جس خصوصی حیثیت کا وعدہ کیا گیا تھا وہ زائل ہوتی جارہی ہے۔

گذشتہ سالوں کے مقابلے میں یرغمالیوں کے معاملات میں مرکزی حکومت نے خاصا پراثر موقف اختیار کیا ہے۔ جو روبیہ سعید والے موقف سے مختلف ہے جس نے حکومت کی کمزوری اور فیصلے کی صلاحیت سے محرومی کا تاثر دیا تھا۔ اس خراب صورت حال میں جگ موہن کو گورنر بناکر وی پی سنگھ حکومت نے جلتے پر تیل کا کام کیا۔

بانس کرسچین اوسٹرو کا قتل دہشت گردی کے ایسے خارجی گروہوں کے ہاتھ میں چلے جانے کے خطرے کا اشارہ ہے جن کا سفاکانہ طرز عمل آزادی تحریک کی مقبولیت کو داغدار کرتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی اس قتل نے دنیا بھر میں حفاظتی فوج کی نکتہ چینیوں کا منہ بند کردیا ہے جس کا ثبوت حفاظتی فوجوں کی مدد کے لئے کشمیر میں انسداد دہشت گردی کے مغربی مشیروں کی آمد ہے۔ نئی دہلی میں مسز مارگریٹ تھیچر نے کشمیر کے واقعات کو دہشت گردی کے عمومی خطرے سے تعبیر کرکے اور جہاں کہیں بھی ابھرے اس کا قلع قمع کرنے کی ضرورت پر زور دے کر اسی خیال کی تائید کی ہے۔

جنگجویانہ سرگرمیوں کے کشمیر پر منفی اثرات غیر ملکی لٹیروں کو قتل و غارت گری، اغوا اور زرکشی سے باز نہیں رکھیں گے بلکہ وہ مسئلے کے حل کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے اپنی سرگرمیاں تیز تر کردیں گے۔ وادی کے شبیر شاہ اور یاسین ملک جیسے لیڈر مسلح دہشت گردی سے دست بردار اور تشدد سے تائب ہوچکے ہیں لیکن اپنی زندگیوں کو لاحق خطرے کے مدنظر ان کی عوامی سرگرمیاں محدود ہوگئی ہیں گروہ بند لٹیروں نے اپنے بہت سے حریفوں کو خاموش کردیا اس کا اندازہ یوں لگایا جاسکتا ہے کہ اب تک اغوا شدہ 1700 کشمیریوں میں سے نصف تعداد کو موت کے گھاٹ اتارا جاچکا ہے۔ اس کے باوجود اوسٹرو کے قتل پر وادی میں احتجاج ہوا اور اس فعل کو وادی کی پیشانی پر بدنما داغ قرار دیا گیا۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ افراد کے لئے ظلم و جبر سے نبرد آزما ہونا بہت مشکل ہے۔ کئی اخبارات کے مدیر تو مارے جانے کے خوف سے اپنے دفتروں سے باہر نہیں نکلتے اس پر ستم یہ کہ انہیں حفاظتی فوجوں سے بھی خطرہ لاحق رہتا ہے جنہیں ان کی تنقید گراں گزرتی ہے۔

غیر ملکی لٹیروں کے خلاف عام احتجاج حفاظتی

کیاان کشمیری خواتین کے زخموں پر مرہم رکھنے کا عمل شروع ہوگا

فوجوں کو موقع فراہم کرتا ہے کہ اگر وہ علیحدگی پسندانہ عناصر سے وادی کو پاک کرنا چاہیں تو ان سے نبرد آزما ہوں۔ اس عمل میں، جیسا کہ ہوتا آیا ہے، وہ ہر شخص کو مشکوک سمجھنے لگتے ہیں اور عام آدمی اور لٹیرے کا امتیاز ان کی نظر سے اٹھ جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مختلف حرکتوں سے یہ لٹیرے حفاظتی فوجیوں کو اشتعال دلاتے رہتے ہیں جو اس کے رد عمل میں اپنی بندوقوں کا رخ آباد علاقوں کی طرف کردیتے ہیں اس سے مقامی عوام برگشتہ ہوتے ہیں۔ ہونا یہ چاہئے کہ ان فوجیوں کو یہ بات ذہن نشین کرائی جائے کہ ان کا کام حفاظت کرنا ہے کسی کو دبانا اور دھمکانا نہیں اور اسی لئے شہری آبادی کے علاقوں میں تعین یونٹوں میں کشمیری زبان جاننے والے افراد کو رہبری کے لئے رکھا جائے جو انہیں مقامی نزاکتوں سے باخبر کرتے رہیں۔

کشمیر کی شدید اور طویل جدوجہد یونہی بے سبب نہیں ہے۔ کشمیر کے حق خود مختاری کے عام اعتراف کے ساتھ یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ 1947ء میں ہندوستان کے ساتھ الحاق کے وقت جس خصوصی حیثیت کا وعدہ کیا گیا تھا وہ زائل ہوتی جارہی ہے حفاظتی فوجوں کے رویے پر بھی آئے دن تنقیدیں ہوتی رہتی ہیں۔ چرار شریف کے حادثے کے بعد وزیراعظم نے بہت دباؤ پڑنے پر یہ اعلان کیا کہ آزادی سے کم کسی بھی موضوع پر گفت وشنید ہوسکتی ہے اور وعدے کے باوجود اس کی کوئی تفصیل بتانے سے انہوں نے گریز کیا۔ اس سلسلے میں کوئی تاخیر موقع کو کھودینے کے برابر ہوگا۔ اور کشمیریوں کو یہ یقین دلانے میں حکومت کی ناکامی کہ ان کی خود مختاری کی تحریک کو جگ موہن کی جابرانہ پالیسی کے آئینے میں نہیں دیکھا جائے گا بڑی کم نظری کی بات ہوگی۔

> وادی کے عوام میں مزید اعتماد پیدا کرنے کے لئے انتخابی عمل کے مشاہدے کے لئے بین الاقوامی مبصرین کو مدعو کیا جاسکتا ہے۔ کشمیری عوام کا اعتماد بحال کرنے کے لئے دور اندیشی اور عزم کی ضرورت ہے کیونکہ نہ صرف کشمیر بلکہ پورے ہندوستان کا مستقبل داؤ پر لگا ہوا ہے۔

آخر انہی شرائط پر کشمیر کا ہندوستان سے الحاق منظور ہوا تھا اور اس کی مزید تصدیق 1952ء میں جواہر لعل نہرو اور شیخ عبداللہ کے درمیان ہوئے معاہدہ دہلی سے ہوئی تھی۔ اس کے تحت آرٹیکل 356 کے اطلاق سے جموں وکشمیر کی استثنائی حیثیت اور دیگر ضمانتیں گذشتہ سالوں میں مٹائی جاتی رہی ہیں۔ اس طرح کشمیر کے مستقبل پر کسی مذاکرے کی بنیاد بنے گا۔ اگر مسٹر نرسمہا راؤ اعلان کردیں کہ عوام کے منتخب نمائندوں کی گفت و شنید کی بنیاد یہی رہے گی تو کشمیر میں جو انتخابات کرانے کے وہ مشتاق ہیں اسے معنویت مل سکے گی۔ وادی کے عوام میں مزید اعتماد پیدا کرنے کے لئے جیسا کہ دوسری حکومتوں نے کیا ہے انتخابی عمل کے مشاہدے کے لئے بین الاقوامی مبصرین کو مدعو کیا جاسکتا ہے۔ غرضیکہ کشمیری عوام کا اعتماد بحال کرنے کے لئے دور اندیشی اور عزم کی ضرورت ہے کیونکہ نہ صرف کشمیر بلکہ پورے ہندوستان کا مستقبل داؤ پر لگا ہوا ہے۔ تحریر: اجیت بھٹا چارجی

(انگریزی سے ترجمہ)

بقیہ: بوسنیا کے شہیدوں کو سلام

، اقوام متحدہ، مغرب اور پوری دنیا کو چڑھانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن کسی کو غیرت نہیں آتی اور نہ ہی انسانی حقوق کی دہائی دینے والی مغربی طاقتوں کا خون جوش مارتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان

> یہ امن تجاویز بھی بوسنیائی مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی اور سرب باغیوں کی ناز برداری کا پلندہ ہیں۔ ان تجاویز میں مسلمانوں سے لے کر سربوں کو کچھ دینے ہی کا انتظام ہے نہ کہ ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کا۔

طاقتوں کو اس جنگ میں لطف آرہا ہے اور یہ بڑی دلچسپی سے مسلمانوں کے قتل عام کا تماشہ دیکھ رہی ہیں۔

لیکن جب پانی سر سے اونچا ہوگیا، ظالموں نے تمام حدود کو پار کرلیا اور مغرب کا وقار بری طرح مجروح ہونے لگا تو ان طاقتوں نے سرب ٹھکانوں پر بمباری کا ڈرامہ رچا اور ایسی پلاننگ کی کہ سربوں کو پہلے سے ہی اس کا علم ہوگیا وہ اپنے علاقے خالی کرکے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب مغربی پریس بڑے پرجوش انداز میں کہہ رہا ہے کہ سرب امریکہ کی امن تجاویز کو ماننے کو تیار ہوگئے ہیں اور اگر اب بھی وہ نہیں مانے تو اس سے بھی بھیانک حملہ ان پر کیا جائے گا۔

امریکہ نے بھی کہا ہے کہ مذکورہ واقعہ سے اس کی امن کوششیں متاثر نہیں ہوں گی۔ لیکن یہ امن تجاویز بھی بوسنیائی مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی اور سرب باغیوں کی ناز برداری کا پلندہ ہیں۔ ان تجاویز میں مسلمانوں سے لے کر سربوں کو کچھ دینے ہی کا انتظام ہے نہ کہ ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کا۔ امریکہ اور اقوام متحدہ کے ایلچی سرب باغیوں کے رہنماؤں سے مل کر انہیں قیام امن کے لئے راضی کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ جبکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ عالمی عدالت میں ان جنگی مجرموں کے خلاف کارروائی کرکے انہیں سرراہ پھانسی کے پھندے پر لٹکایا جاتا اور ایسی عبرت ناک سزائیں دی جاتیں کہ پھر کوئی بھی طاقت ظلم و بربریت کی تاریخ رقم کرنے کی جرات نہ کرتی۔

بقیہ: یکساں سول کوڈ کی بنیادیں

اس فلسفہ کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے چنانچہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی وغیرہ اس فکری ارتداد کے خلاف محاذ آرائی کے لئے میدان میں کود پڑے۔ اس دوسرے محاذ پر ناکامی کے بعد اس گروہ نے قانون کا سہارا لیا۔ دستور میں دفعہ 44 کی شمولیت اس کا حصہ ہے۔

شروع میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا مطالبہ نہیں کیا گیا اس کے بجائے دوسرے حربے اختیار کئے جاتے رہے۔ پچاس سال کے دوران اس کے لئے میدان ہموار کیا جاتا رہا۔ اب جبکہ سرکاری میڈیا اور اخبارات کے ذریعہ ذہنی تیاری کا کام کافی حد تک پورا ہوگیا ہے تو یکساں سول قانون کے نفاذ کا شور بلند ہونے لگا ہے۔ لیکن یکساں سول قانون مسلمانوں کے ساتھ ساتھ دوسری اقلیتوں کے لئے بھی ناقابل قبول ہوگا اس لئے دوسری اقلیتوں کو بھی اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرکے اس کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کردینا چاہئے۔

بقیہ: مسلمانوں کو ضرورت ہے

بھانپ سکتی تھیں تو موجودہ مسلم قیادت کو تعلیم کی اہمیت کا احساس دلانے میں کیا چیز مانع ہے۔

اوقاف کی رقوم، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے قیام پر کیوں نہیں خرچ ہوسکتی۔ مانا کہ ہر مسلمان کی زندگی میں مسجد کی خاص اہمیت ہے لیکن درسگاہ کی حرمت بھی کم نہیں ہے اگر مسلمان لیڈروں کی نوجوان نسل یہ کام کرسکے تو ان پر یہ راز کھلے گا کہ وزراء اعظم یا وزراء اعلیٰ کی خوشامد کے مقابلے میں یہ کہیں زیادہ منفعت بخش ہے۔

بوسنیا سے متعلق نیا امریکی پلان

کلنٹن کی مسلم دشمن ذہنیت کا آئینہ دار ہے

کروشیائی فوجوں کے برق رفتار حملے اور سربوں کی شکست فاش کے بعد پہلی بار جارح سربوں کو معلوم ہوا ہے کہ انسانی المیہ کسے کہتے ہیں۔ اب تک "فتوحات" حاصل کرکے وہ مقبوضہ علاقوں میں بربریت کا مظاہرہ کرتے تھے جس کی وجہ سے لاکھوں بوسنیائی مسلم اور کروٹ عیسائی یا تو قتل کردئے گئے یا اپنے گھروں سے نکال باہر کئے گئے اور اب خستہ حال پناہ گزیں کیمپوں میں کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ لیکن اب کروشیا میں رہنے والے سرب بھاگ کر یا تو سربیا میں یا سربوں کے قبضہ والے بوسنیا میں پناہ لے رہے ہیں۔ اگرچہ کروشیا کی فوج نے ان سربوں کے ساتھ اس قسم کا وحشیانہ سلوک نہیں کیا جیسا کہ سرب فوج مسلمانوں اور کروٹوں کے ساتھ فتح کے بعد کرتی ہے۔ نہ تو کروشیائی فوج نے سرب عورتوں کی اجتماعی زناکاری کی، نہ ہی ان کے نوجوانوں کو قتل کیا، اور نہ ہی کسی کو اپنا گھر چھوڑ کر بھاگ جانے کے لئے کہا یا کسی کو زبردستی نکال باہر کیا لیکن پھر بھی سرب ایک لاکھ سے زائد تعداد میں بھاگ کھڑے ہوئے ہیں اور پناہ گزیں کیمپوں میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ شاید اب انہیں احساس ہو کہ اس ظلم و بربریت کا مزہ کیسا ہے جو وہ اب بھی بوسنیائی مسلمانوں کے ساتھ روا رکھے ہوئے ہیں۔

بلقان کی حالیہ جنگ کے آغاز ہی سے روس پوری طرح جارح سربوں کا حامی رہا ہے۔ یوروپی ممالک اور امریکہ کی پالیسی اگر کھل کر سربوں کے حق میں نہیں تھی تو ان کے خلاف بھی نہ تھی۔ امریکہ اور یوروپ نے اپنے اعمال اور پالیسیوں سے ہمیشہ یہی تاثر دیا کہ اگر سربوں کے خلاف کوئی کارروائی کی جاتی ہے تو اس سے جنگ کے شعلے مزید بھڑکیں گے۔ نتیجتاً سربوں نے مسلم مردوں اور خواتین کے ساتھ وہ وحشیانہ سلوک کیا جسے سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ لیکن امریکہ اور یوروپ دونوں کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔

لیکن ظاہر ہے بعض غیور مسلم ممالک خاص طور سے ملیشیا اور ایران نے انتہائی سخت موقف اختیار کیا۔ بل کلنٹن کو اندیشہ ہوا کہ کہیں مسلم دنیا میں ان کا اعتبار بالکل ہی ختم نہ ہوجائے۔ چنانچہ پوری مکاری کے ساتھ وہ ایک نئی تجویز کے ساتھ میدان میں اتر پڑے۔

نیا امریکی پلان کہنے کو تو خفیہ ہے مگر اس کے مندرجات بڑی ہوشیاری سے پریس کو جاری کردئے گئے ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امریکہ اب بھی پہلے کی طرح سربوں کی ناز برداری میں مصروف ہے۔ کہنے کو تو اس نئے پلان میں ہر فریق کے لئے کچھ ترغیبات اور کچھ دھمکیاں ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ یہ پلان بھی سربوں کی منہ بھرائی اور جارح کی ناز برداری کے مترادف ہے۔ کیونکہ اس میں سربوں کو کافی مراعات دی گئی ہیں۔ امریکہ اور اس کے حلیف ان مراعات کا کھل کر ذکر نہیں کر رہے ہیں لیکن اب یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ سربرینکا اور زیپا مستقل طور پر سربوں کو دے دیے جائیں گے۔

ایک سال قبل سابق یوگوسلاویہ میں امن کے لئے ایک انٹرنیشنل امن پلان تیار کیا گیا تھا جس کے مطابق بوسنیا کو تین حصوں میں بانٹ دیا گیا تھا۔ بوسنیا میں مسلمان 45 فیصد سے زیادہ ہیں جبکہ سرب تقریبا تیس فیصد ہیں۔ لیکن سربیا کی مدد سے انہوں نے 70 فیصد بوسنیا پر قبضہ جما رکھا ہے۔ حال ہی میں

سربرینکا اور زیپا پر قبضہ کے بعد ان کے مقبوضہ علاقہ میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔ امریکی پلان کے مطابق بوسنیائی سرب اب دونوں شہروں کو اپنے پاس رکھ سکتے ہیں جبکہ ایک سال قبل والے امن پلان میں یہ علاقہ مسلمانوں کو ملا تھا۔ لیکن بوسنیائی سربوں کو بعض اپنے مقبوضہ علاقوں کو مسلمانوں کے حوالے کرنا ہوگا جسے وہ پہلے ہی مسترد کرچکے ہیں۔ ایک سال قبل والے امن پلان میں سربوں کو 51 فیصد علاقہ ملنا تھا۔ غالبا موجودہ امریکی پلان میں اس سے بھی کچھ زیادہ دیا گیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سرب اسے قبول کرتے ہیں یا نہیں۔

امریکہ نے اپنے نئے امن پلان کے ساتھ دھمکیوں اور ترغیبات کا ایک پیکیج بھی نتھی کردیا ہے۔ اس پلان کے تحت سربیا کے صدر سلوبودون میلوسیوچ پر خاص توجہ دی جارہی ہے۔ امریکہ چاہتا ہے کہ سربیا بوسنیا اور کروشیا کی آزاد حکومتوں اور نئی سرحدوں کو قبول کرلے۔ اسی طرح کروشیا اور بوسنیا بھی نئی سرحدوں کو تسلیم کرلیں گے۔ اگر میلوسیوچ اس تجویز سے اتفاق کرتے ہیں تو ان کے ملک سربیا کے خلاف عائد معاشی پابندیاں مستقلا اٹھالی جائیں گی۔ امریکہ کو امید ہے کہ اگر سربیا بوسنیا اور کروشیا کی نئی سرحدوں کو قبول کرلے تو پھر ان جمہوریتوں کے باغی سربوں کی مدد بند کردے گا جس کے بعد وہ بھی اس نئے امن پلان کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے۔ لیکن اگر سربیا انکار کرتا ہے تو اس کے خلاف نہ صرف معاشی پابندیاں جاری رہیں گی بلکہ بوسنیا کی باغی سرب فوج پر نیٹو کے طیارے زبردست بمباری کریں گے۔ اس کے علاوہ بوسنیا سے اقوام متحدہ کی افواج واپس بلاکر وہاں مسلم ممالک کی ایک فوج تعینات کردی جائے گی جو بوسنیائی مسلمانوں کے شانہ بشانہ سربوں کے خلاف لڑے گی۔ نیز بوسنیا کے خلاف عائد ہتھیاروں کی پابندی بھی اٹھالی جائے گی۔ اسی طرح کروشیا اور بوسنیا کو بھی دھمکیاں دی گئی ہیں۔ خاص طور سے اگر بوسنیا کی مسلم حکومت اس نئے پلان کو مسترد کرتی ہے تو اسے دھمکی دی گئی ہے کہ اقوام متحدہ کی فوجیں واپس بلالی جائیں گی۔ ہتھیاروں پر

> **نیا امریکی امن پلان امریکہ، روس اور یوروپ کی اسی وحشیانہ اور غیر مہذب ذہنیت کا علمبردار ہے**

سے پابندی اٹھالی جائے گی جس کا زیادہ فائدہ سربوں کو پہنچے گا۔ یہ کہہ کر دراصل امریکہ نے اپنی عیسائی ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ امریکی و یوروپی تعاون کے بغیر مسلم ممالک بوسنیا کی مدد کرنے سے قاصر رہیں گے کیونکہ جو ہتھیار بھی وہ بھیجیں گے انہیں امریکی و یوروپی بحری بیڑے اگر روکیں گے نہیں تو رکاوٹ ضرور ڈال سکتے ہیں۔ بوسنیائی صدر علی جاہ عزت بیگووچ کو بھی اس کا احساس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے خود اپنا ایک بارہ نکاتی امن پلان پیش کرنے کے باوجود نئے امریکی پلان کو بعض تبدیلیوں کے ساتھ قبول کرلینے کی بات بھی کہی ہے۔ واضح رہے کہ گذشتہ سال کے امن پلان کو بھی عزت بیگووچ نے تسلیم کرلیا تھا کیونکہ وہ ایک حقیقت پسند انسان ہیں اور جانتے ہیں کہ طاقتور اور انصاف کے علمبرداروں کا انصاف ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ کمزور کو ڈرا دھمکا کر اپنے ساتھ ہوئی زیادتی کو برداشت کرنے پر مجبور کیا جائے۔ نیا امریکی امن پلان امریکہ، روس اور یوروپ کی اسی وحشیانہ اور غیر مہذب ذہنیت کا علمبردار ہے۔ یعنی جارح سربوں کی منہ بھرائی اور انہیں انعام سے نوازنا اور مظلوم بوسنیائی مسلمانوں کو مزید زیادتیاں برداشت کرنے کے لئے دھمکیاں دینا۔

جنگ بلقان کے اہم واقعات

1990ء سابق یوگوسلاویہ کی 6 ریپبلک میں پہلی بار کثیر جماعتی انتخاب منعقد ہوا۔ سربین کمیونسٹ پارٹی کے لیڈر سلوبودون میلوسیوچ سربیا کے صدر منتخب ہوجاتے ہیں۔

1991ء۔ جون۔ سلووینیا اور کروشیا اپنی آزادی کا اعلان کرتے ہیں۔ یوگوسلاوی فوج سلووینیا پر حملہ کردیتی ہے

جولائی۔ یوگوسلاوی فوج سلووینیا سے واپس آجاتی ہے۔ لیکن کروشیا کی فوج اور سرب باغیوں کے درمیان زبردست جنگ شروع ہوجاتی ہے۔

ستمبر۔ اقوام متحدہ پورے سابق یوگوسلاویہ پر ہتھیاروں کی پابندی لگا دیتا ہے۔ اس کا سب سے زیادہ فائدہ سربوں کو پہنچا کیونکہ فوج میں ان کا غلبہ تھا جس سے انہیں ہتھیار مل گئے۔ کروشیائی اور بوسنیائی باشندے سب سے زیادہ نقصان میں رہے۔

1992ء۔ جنوری۔ اقوام متحدہ کی طرف سے مصالحت کے لئے مقرر کئے گئے سائرس وینس کروشیا میں جنگ بندی کے ایک معاہدے پر دستخط کروانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔

فروری۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کروشیا میں 14 ہزار امن فوج ارسال کرتی ہے۔ بوسنیا ہرزیگووینا اپنی آزادی کا اعلان کرتا ہے۔ لیکن بوسنیا کے سرب ایک علیحدہ سرب ریاست کا اعلان کرکے جنگ شروع کردیتے ہیں۔

اپریل۔ بوسنیائی سرب فوج میں سابق یوگوسلاوی فوج کے دستے اپنے بھاری ہتھیاروں کے ساتھ شامل ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے انہیں مسلمانوں پر فوقیت حاصل ہوجاتی ہے۔ چنانچہ وہ دارالحکومت سرائیوو کا محاصرہ کرلیتے ہیں۔ یوروپی یونین اور امریکہ بوسنیا ہرزیگووینا کو تسلیم کرلیتے ہیں۔

مئی۔ یوگوسلاوی فوج بوسنیا میں موجود ایک لاکھ فوج کی کمانڈ سے دستبردار ہوجاتی ہے۔ اس طرح ایک نئی بوسنیائی سربوں کی فوج وجود میں آجاتی ہے۔ جس کے پاس ہر قسم کا جنگی ساز و سامان موجود ہے۔ مسلمان اور کروٹ اس کے برعکس ہلکے ہتھیاروں یعنی بندوقوں وغیرہ سے مسلح ہیں۔ ہتھیاروں کی فروخت پر پابندی کی وجہ سے وہ دوسروں سے بھی ہتھیار حاصل نہیں کرسکتے۔

جولائی۔ سرائیوو کے لئے ریلیف کے سامان ہوائی جہازوں سے وہاں کے ہوائی اڈے پر اتارے جاتے ہیں۔

1993ء۔ مارچ۔ سرب 70 فیصد بوسنیا پر قابض ہیں۔ بقیہ 30 فیصد کے لئے بوسنیا کے مسلمان اور کروٹ آپس میں جنگ شروع کردیے ہیں۔

اپریل۔ مئی۔ اقوام متحدہ بوسنیا کے مسلمانوں کے لئے چھ محفوظ علاقوں کا اعلان کرتا ہے۔

1994ء۔ 5 فروری۔ سرائیوو پر سرب بمباری سے 60 لوگ جاں بحق ہوجاتے ہیں۔

18۔ مارچ۔ امریکہ بوسنیا کی مسلم حکومت اور بوسنیائی کروٹوں کے درمیان مصالحت کرانے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔

4 اگست۔ سربیا کے صدر میلوسیوچ بوسنیائی سربوں سے اس بات پر قطع تعلق کرلیتے ہیں کہ انہوں نے اقوام متحدہ کی پیش کردہ امن تجویز کو مسترد کردیا ہے۔ سربیا کی خواہش تھی کہ بوسنیائی سرب اس امن تجویز کو قبول کرلیں لیکن رادون کرادزک نے اسے مسترد کردیا۔

25 نومبر۔ ناٹو کے ہوائی حملے کے خلاف بوسنیائی سرب کناڈا سے تعلق رکھنے والے 55 امن فوجیوں کو یرغمال بنالیتے ہیں۔ یہ تعداد بعد میں بڑھ کر 4 سو ہوجاتی ہے۔

20 دسمبر۔ سابق امریکی صدر جمی کارٹر بوسنیا میں ایک جنگ بندی کا معاہدہ کرانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں

1995۔ یکم جنوری۔ چار مہینوں کے لئے پورے ملک میں جنگ بندی زیر عمل آتی ہے۔

8 اپریل۔ ایک امریکی امدادی جہاز پر فائرنگ سے اسے نقصان پہنچتا ہے۔ اس کے بعد سرائیوو کے لئے تمام جہازوں کی اڑان منسوخ کردی جاتی ہے۔

یکم مئی۔ بوسنیا کی جنگ بندی کی مدت ختم ہوجاتی ہے۔ کروشیا اپنے یہاں کے سربوں پر ایک زوردار حملہ کرتا ہے۔ سرب باغی زاغریب پر راکٹ سے حملہ کرتے ہیں جس سے 6 افراد ہلاک اور دو سو کے قریب زخمی ہوجاتے ہیں۔

25 مئی۔ ناٹو کے لڑاکا جہاز سربوں کے ایک ڈپو پر حملہ کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے بڑے ہتھیاروں کو سرائیوو کے پاس سے ہٹانے سے انکار کردیا تھا۔ سربوں نے جوابی کارروائی کے طور پر محفوظ علاقوں پر حملہ کیا۔ تزلہ پر ایک ایسے ہی حملے سے 71 لوگ مارے گئے۔

26 مئی۔ ناٹو کے جہاز بوسنیائی سربوں کے بارود کے کئی اور ڈپوؤں کو نشانہ بناتے ہیں۔ اس کے خلاف سرب فوج اقوام متحدہ کی امن فوج کے 370 لوگوں کو یرغمال بنالیتی ہے۔

2 جون۔ ایک امریکی ایف 16 طیارہ سربوں کے ذریعہ مار گرایا جاتا ہے۔ ناٹو ایک نئی ریپڈ ری ایکشن فورس قائم کرنے کی تجویز پاس کردیتی ہے۔

18 جون۔ اقوام متحدہ کی امن فوج کے یرغمال بنائے گئے تمام لوگ رہا کردئے جاتے ہیں۔

11 جولائی۔ سرب اقوام متحدہ کے اعلان کردہ محفوظ علاقے سربرینیکا پر قبضہ کرلیتے ہیں۔

25 جولائی۔ اقوام متحدہ کا اعلان کردہ دوسرا محفوظ علاقہ زیپا بھی سربوں کے قبضہ میں آجاتا ہے۔ سربوں نے دونوں شہروں کے مسلم عوام پر مظالم کے پہاڑ توڑ دئے جن کی تفصیل سن کر دنیا کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

4 اگست۔ کروشیا کی سرکاری فوج اپنے یہاں کے سرب باغیوں کے خلاف زبردست حملہ کرتی ہے۔ 24 گھنٹے کے اندر ہی کروشیا کے باغی سربوں کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ چار روز کے اندر یعنی 8 اگست تک کروشیا کا وہ 17 فیصد علاقہ جو اب تک باغی سربوں کے قبضہ میں تھا، اس کے زیادہ تر حصہ پر کروشیائی فوج قبضہ کرلیتی ہے۔

28 اگست۔ سرب باغیوں نے سرائیو کے مرکزی بازار پر حملہ کردیا جس میں 37 افراد ہلاک اور تقریبا سو زخمی ہوگئے۔

30 اگست۔ ناٹو کے جہازوں نے سرب ٹھکانوں پر زور دار حملہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ناٹو کی تشکیل کے بعد یہ اب تک کا سب سے بڑا حملہ تھا۔

آج آزادی کی آڑ میں عورتوں کو جنس بازار بنادیا گیا

اسلام میں جنسی بے راہ روی کا مکمل علاج موجود ہے

اکیسویں صدی کی چوکھٹ پر کھڑی ہوئی دنیا اگر اپنی موجودہ حالت کا جائزہ لے تو اسے اندازہ ہوگا کہ ترقی و خوشحالی کے دام فریب میں آکر اس نے انسانی حرمت کو جی بھر کر پامال کیا ہے اور وہ اپنے مردہ ضمیر کے ساتھ پامالی کا یہ منظر دیکھتے رہنے پر آمادہ ہے۔ انسان اور حیوان کے درمیان فرق کو مٹانے کے لئے شرپسند طاقتوں نے منظم طور پر ایک فلسفے کی اختراع کی جس کے تحت ایک طرف روحانی و اخلاقی اقدار کو بے معنی قرار دے کر اس پر عقلیت و مادیت کی بالادستی قائم کی گئی تو دوسری طرف آزادی نسواں کا نعرہ لگاکر ذہنی و جسمانی صلاحیتوں کے اعتبار سے عورتوں کو مردوں کا ہمسر قرار دیاگیا اور معاشرے میں عورت کی بے باکانہ نقل و حرکت اور تصرف کو حقوق انسانی کے جذبے کے عین موافق سمجھا گیا۔ اس کے برعکس عورت کو الگ دائرہ کار سے وابستہ رکھنے کے حامی حلقوں کو دقیانوسیت، قدامت پرستی اور جنس لطیف کے ساتھ ناانصافی و عدم مساوات سے تعبیر کیاگیا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ عورت کا غیر مردوں کے ساتھ بے روک ٹوک اختلاط بلا امتیاز مذہب و ملت پوری دنیا کا مسئلہ تھا لیکن نام نہاد نظریہ ساز قوتوں نے دنیا کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی کہ صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو عورت کو پردے میں رکھ کر اسے غلامی کی زنجیر پہنائے رکھنا چاہتا ہے اور اس طرح نہ صرف عورت کی انفرادی صلاحیتوں کی نشو و نما میں رکاوٹ ڈالتا ہے بلکہ مجموعی طور پر معاشرے کی مادی ترقی میں اسے اپنا مثبت کردار ادا کرنے سے بھی روکتا ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ آج جب زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ انسانی ضروریات بھی بے حد بڑھ گئی ہیں یہ اسلام مخالف پروپیگنڈہ کارگر کیوں کر نہ ہوگا۔ ہر شخص زندگی کی مادی آسائشوں کے حصول کی خواہش رکھتا ہے۔ اور سنجیدہ ذہنوں کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ یہ ضرورتیں بھی انہی قوتوں کی پیدا کردہ ہیں جنہوں نے جنسی امتیازات سے آزاد معاشرے کا نظریہ پیش کیا تھا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ مرد و زن کا امتیاز ختم کرنے کی اس ناکام کوشش کے نتیجے میں زندگی کے مسائل تو کیا حل ہوتے، وہ اور بھی الجھتے چلے گئے۔ خصوصاً عورت کی حیثیت پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ بکاؤ مال کی سی ہوگئی جیسا کہ اس کا مظاہرہ ہماری زندگی میں عام طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ عورت دفتروں میں، دوکانوں میں ہوائی اڈوں کے استقبالی کاؤنٹروں پر اپنی مسکراہٹ بیچتی ہے اپنے جسم کے خطوط کے پیچ و خم سے دعوت نظارہ دیتی ہے اور اسے آزادی سمجھے ہوئے ہے۔ قصور اس کا کم ہے اور ان لوگوں کا زیادہ جنہوں نے آزادی کا بہت سطحی اور گھٹیا تصور اس کے سامنے پیش کیا ہے۔ اب جب کہ وہ جنس بازار بن چکی ہے تو ترقی کے مزید مراحل طے کرنے کے لئے اگر مسکراہٹ سے کام نہیں چلے گا تو اپنے جسم کو زینہ بنائے گی اور اس معاشرے سے جس میں اس کی تربیت ہوئی داد شجاعت پائے گی۔

> عورت کی حیثیت پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ بکاؤ مال کی سی ہوگئی عورت دفتروں میں، دوکانوں میں ہوائی اڈوں کے استقبالی کاؤنٹروں پر اپنی مسکراہٹ بیچتی ہے اپنے جسم کے خطوط کے پیچ و خم سے دعوت نظارہ دیتی ہے اور اسے آزادی سمجھے ہوئے ہے۔

ایک طبقہ یہ سوال اٹھا سکتا ہے کہ کیا عورت کو اپنی صلاحیتوں کے مظاہرہ کا موقع نہیں ملنا چاہئے اور کیا اسے تعلیم و تربیت کے مختلف شعبوں سے استفادہ نہیں کرنا چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عورت کو اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا جی بھر کر موقع ملنا چاہئے اور حصول علم کے دروازے اس پر بند نہیں ہونے چاہئیں لیکن اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس کے تعلیم یافتہ ہونے کی افادیت کا معیار کسب زر کی صلاحیت کو نہ ٹھہرایا جائے۔ جیسا کہ ابھی ذکر ہوا کہ زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ انسانی ضرورتیں بھی بڑھتی رہتی ہیں تو ان ضرورتوں میں اضافہ کا اطلاق اولاد کی تربیت کے شعبے پر بھی ہوتا ہے۔ اسی لئے اگر لڑکیوں اور عورتوں کی تعلیم کا معقول انتظام کسی معاشرے میں ہے تو اس سے ان کو اسی طرح فائدہ پہنچنا چاہئے جس طرح اس کے مساوی سہولتوں سے مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ زیور تعلیم سے آراستہ ہونے کے بعد مرد تو اپنے روزی روزگار کی فکر کرے اور عورت ماں، بہن بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے آنے والی نسل کو سنوارنے میں منہمک ہو۔ اگر گھر کی مصروفیات سے اتنا وقت نکالا جاسکتا ہو کہ وہ کسی نسوانی ادارے کی خدمت کرسکے تو الگ بات ہے لیکن اس خدمت کی حیثیت ثانوی ہوگی جس کے مقابلے میں اپنے گھر اور خاندان کی نگہداشت کی اہمیت کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

انہیں نزاکتوں کو محسوس کرتے ہوئے اسلام نے مرد اور عورت کے حقوق کی تحدید و تخصیص کردی اور ان کے لئے سماجی آداب مقرر کردئے کہ ان سے تجاوز کا نتیجہ خرابی اور انتشار کے علاوہ اور کچھ ہو نہیں سکتا۔ عورت کو اپنا جسم اس طرح ڈھکے رہنے کی ہدایت دی گئی کہ اس سے فتنہ و فساد نہ پیدا ہو۔ یہی نہیں بلکہ جب باری تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ قل للمومنین یغضوا من ابصارھم و یحفظوا فروجہم، تو یہ حکم صرف عورتوں کے لئے مخصوص نہیں رکھا گیا بلکہ تمام ایمان والوں کو مخاطب کیا گیا کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ ظاہر ہے کہ اس ہدایت کا مقصد بے حیائی اور بے شرمی سے خود کو بچائے رکھنا ہے۔ جو لوگ شرم و حیا کا دامن چھوڑ بیٹھتے ہیں ان کی نظر میں خون کے رشتوں کی تقدیس بھی ختم ہوجاتی ہے اور جب ایسے لوگوں کی ایک خاصی تعداد معاشرے میں ہوجاتی ہے تو وہ اس کے لئے عذاب بن جاتے ہیں اور بہت سی غیر فطری جبلتوں کا سرعام مظاہرہ ترقی کے دلدادوں اور اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت کا تمسخر اڑانے والوں کا منہ چڑانے لگتا ہے۔

امور خانہ داری کی انجام دہی یعنی

شوہر کے ساتھ تعاون اور بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت

آپ کے سوال اور ان کے فقہی جوابات

سوال:۔۔۔ چاندی کی انگوٹھی پہننے کے بارے میں کیا حکم ہے۔ کیا ان انگوٹھیوں کی کوئی تعداد بھی متعین ہے؟

جواب: مرد کے لئے چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے اور بہتر یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی چھوٹی یا اس کے برابر کی انگلی میں پہنی جائے۔ اور اگر داہنے ہاتھ میں پہنی جائے تو بھی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح اس مقصد سے کچھ لکھوالینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ انگوٹھی کی شناخت ہوسکے لیکن اس سے اگر مقصد زیب و زینت اور عورتوں کی طرح آرائش کا ہے تو یہ جائز نہیں۔ انگوٹھی ایک ہی پہنی جائے زیادہ پہننے میں آرائش کا گمان ہوتا ہے۔ اس کا وزن ایک مثقال سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے۔

سوال:۔۔۔ کیا نماز میں سر ڈھکنا واجب ہے۔ بعض اسلامی ممالک میں لوگ کھلے سر نماز پڑھنے کو ناپسند کرتے ہیں؟

جواب:۔۔۔ نماز میں سر کو ڈھکنا لازم نہیں ہے کیونکہ اس کا شمار ستر میں نہیں ہوتا۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر ملک اور ہر معاشرے کے اپنے اقدار و آداب ہوتے ہیں۔ بعض معاشروں میں سرعام بغیر ٹوپی کے نکلنا معیوب سمجھا جاتا ہے لیکن اس کا نماز کے آداب سے تعلق نہیں ہے۔

سوال:۔۔۔ ان دونوں میں سے کون سی صورت بہتر ہے کہ میں عمرہ کروں اور اس کا ثواب اپنی والدہ مرحومہ کو پہنچاؤں یا عمرہ کا خرچ کسی محتاج شخص کو صدقے میں دے دوں؟

جواب:۔۔۔ بہتر صورت یہ ہوگی کہ آپ خود عمرہ کریں اور اپنی والدہ مرحومہ کے لئے مغفرت کی دعا کریں کہ اللہ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے جو کچھ آپ عمرہ کا سفر کرنے اور واپسی میں خرچ کریں گے اور جو کچھ تھکن اور صعوبت اس سفر میں اٹھائیں گے ان سب کا اجر آپ کی والدہ کے حصے میں لکھا جائے گا۔ جو کچھ دعا و اذکار آپ دوران سفر اور عمرہ کے دوران کریں گے وہ بھی آپ کی والدہ کے ہی حصے میں آئیں گے۔ اس لئے خود عمرہ کرنے کی صورت کسی کو اس کا خرچ دے دینے کے مقابلے میں افضل ہے۔ لیکن اگر یہ دونوں صورتیں ممکن ہوجائیں اور آپ کی استطاعت میں ایسا ہو تو یہ بڑے ثواب کی بات ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی غریب محتاج کو کھانا کھلاتا ہے یا اس کی کسی طور پر مدد کرتا ہے تو وہ شکریے کے اظہار کے طور پر اس کے والدین کے حق میں اللہ سے دعا کرتا ہے ان پر رحمت و سلامتی بھیجتا ہے جو ان کی مغفرت اور اعمال صالحہ کی قبولیت کا سبب بنتی ہے۔

سوال:۔۔۔ عورت گھر کے اندر کھانا پکانے اور صفائی ستھرائی کے جو کام انجام دیتی ہے وہ شوہر کے اپنے اوپر حق کے طور پر کرتی ہے یا اس نوعیت کے کاموں کی حیثیت تعاون کی ہے؟۔

جواب:۔۔۔ عورت اپنے شوہر کے گھر میں رہ کر خانہ داری سے متعلق جو امور انجام دیتی ہے اس میں شک نہیں کہ وہ شوہر کا حق ہے لیکن اس پر ان کاموں کا بوجھ بقدر ضرورت ہی ڈالنا چاہئے۔ عموماً خانہ داری، کھانے پکانا، صفائی، برتن دھونا، کوڑا کرکٹ گھر سے باہر پھینکنا، بستر وغیرہ درست کرنا اور چیزوں کی جھاڑ پونچھ کرنا۔ اور جس زمانے میں آج کی طرح زندگی کی آسانیاں حاصل نہیں تھیں عورتیں چکی بھی پیستی تھیں، لکڑی بھی اکٹھا کرتی تھیں اور پانی بھی کنویں سے کھینچ کر لاتی تھیں، گائے بھینس بکری کا دودھ دوہنا، جانوروں کو چارہ ڈالنا بھی ان کے ہی ذمے تھا لیکن یہ سارے کام کرتے رہنے کے پیچھے مقصد شوہر کے ساتھ تعاون ہی تھا تاکہ بچوں کی دیکھ ریکھ اور ان کی تربیت اچھے انداز سے ہوسکے۔

سوال:۔۔۔ کیا پہلے ماہ میں اسقاط حمل جائز ہے؟

جواب:۔۔۔ اسقاط حمل شروع کے چالیس دن تک جائز ہے بشرطیکہ عورت کو کوئی ایسا مرض یا تکلیف لاحق ہو جو حمل کو برقرار رکھنے کی بناء پر بڑھنے اور اس کی جان چلے جانے کا خطرہ ہو۔ ابتدائی چالیس دنوں میں جنین کی تشکیل اور اس کا ارتقاء نہیں شروع ہوتا یا وہ نطفہ کی ہی صورت میں رہتا ہے۔ دوسرے چالیس دن کے دوران اسقاط حمل جائز نہیں الا یہ کہ معتبر اطباء عورت کو لاحق ہونے والے ضرر کی تصدیق کردیں۔

سوال:۔۔۔ ایک شخص ہوائی جہاز میں سفر کر رہا تھا۔ پرواز کے دوران مسافروں میں سے بعض لوگ شراب پی رہے تھے نماز کا جب وقت ہوا تو اس نے وہاں یہ سوچ کر نماز نہیں پڑھی کہ جس ماحول کو اس کا دل پسند نہیں کرتا وہاں وہ کیوں کر نماز پڑھے، کیا اس کا یہ عمل مناسب تھا؟۔

جواب:۔۔۔ جہاں تک ممکن ہو وقت پر نماز ادا کرنا واجب ہے۔ جہاز کے اندر شراب نوش مسافروں کی موجودگی کو نماز میں تاخیر کا عذر نہیں بنایا جاسکتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان حضرات کو نصیحت کی جاسکتی تھی بشرطیکہ وہ مسلمان ہوں کیوں کہ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم کہیں برائی ہوتے دیکھو اور تم میں طاقت ہو تو اسے ہاتھ سے روک دو، یہ ممکن نہ ہو تو زبان سے روکو اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو اسے دل سے برا سمجھو اور یہ ایمان کی کمزور ترین قسم ہے۔

سوال:۔۔۔ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ جب ان کے یہاں بچے کی ولادت ہوتی ہے تو اس بچے کو گود میں لے کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟۔

جواب:۔۔۔ اس عمل کا جواز قرآن و سنت سے ثابت نہیں ہے ہاں بچوں کو لے کر حج اور عمرہ تو ثابت ہے کیونکہ ان بچوں کی طرف سے احرام باندھا

بقیہ صفحہ ۱۲ پر

جسم کی کشش برقرار رکھنے کے لئے ہارمون کا انجکشن لینے سے

پستان کے کینسر کا خطرہ بڑھ جاتا ہے

انسان بوڑھے ہونے کے تصور سے خوف کھاتا ہے۔ اور پوری زندگی چاق و چوبند رہنے کی فطری خواہش ہر شخص میں ہوتی ہے۔ جدید سائنس نے اس سمت میں خاصی پیش رفت کرلی جس کی مدد سے جسمانی اضمحلال کو روکا جاسکتا ہے لیکن اس کامیابی کی قیمت بھی دوسرے طریقوں سے چکانی پڑتی ہے۔ مثلاً یہ کہ بعض جسمانی تبدیلیوں کو روکنے یا ان کے اثرات سے محفوظ رہنے کے لئے ہارمونل انجکشن لگوانا آج ایک عام سی بات ہوگئی ہے۔ یہ ہارمون مرد یا عورت کسی بھی شخص کے جسم میں داخل کئے جاسکتے ہیں۔ ایسی عورتوں کی تعداد خاصی ہے جو سن یاس کو پہنچنے پر اپنے جسم کی قدرتی کشش کو برقرار رکھنے کی غرض سے ایک ایسے ہارمون کے انجکشن لگواتی ہیں جسے اسٹروجن کہتے ہیں۔ ان کا یہ مقصد تو پورا ہوجاتا ہے مگر وہ اس حقیقت سے غافل رہتی ہیں کہ دوسری طرف یہ ہارمون اندر ہی اندر انہیں پستان کے کینسر کے خطرے سے قریب کرتا ہے۔

جدید طبی تحقیقات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ جو عورتیں سن یاس کی پریشانیوں سے بچنے کے لئے اسٹروجن کے ہارمونل انجکشن کا سہارا لیتی ہیں یا امراض قلب اور ہڈیوں کے اضمحلال کو دور رکھنے کے خیال سے یہ طریقہ اختیار کرتی ہیں انہیں دیگر عورتوں کے مقابلے میں پستان کے کینسر کا خطرہ زیادہ لاحق ہوسکتا ہے۔

> جدید طبی تحقیقات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ جو عورتیں سن یاس کی پریشانیوں سے بچنے کے لئے اسٹروجن کے ہارمونل انجکشن کا سہارا لیتی ہیں یا امراض قلب اور ہڈیوں کے اضمحلال کو دور رکھنے کے خیال سے یہ طریقہ اختیار کرتی ہیں انہیں دیگر عورتوں کے مقابلے میں پستان کے کینسر کا خطرہ زیادہ لاحق ہوسکتا ہے۔

تحقیق کے دوران 12200 نرسوں کو نمونہ بناکر سولہ سال تک ان میں رونما ہونے والی جسمانی تبدیلیوں کا مشاہدہ کیا گیا۔ اس دوران اخذ کردہ نتائج نے نہ صرف اطباء بلکہ عورتوں کو بھی یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ وہ ہارمونی علاج کے فوائد اور اس کی مضرتوں کا حساب لگائیں کیونکہ ادھر گذشتہ دو دہائیوں سے ہارمونل علاج کی طرف لوگ تیزی سے راغب ہورہے تھے جس کی وجہ یہ تحقیق تھی کہ اس میں امراض قلب اور ہڈیوں کی کمزوری کے دفاع کی صلاحیت موجود ہے۔ ہارمونل علاج کی افادیت و مضرت کے بارے میں سوالات اٹھنے کا ایک اثر تو یہ ہوا کہ طبی حلقوں میں یہ ایک مشکل اور اہم موضوع گفتگو بن گیا کہ اس طریقہ علاج کو جاری رکھا جائے یا نہیں۔

مذکورہ تحقیق کا سہرا امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی کے شعبہ صحت عامہ سے وابستہ ڈاکٹر میر اسٹامپر سے ہے جنہوں نے برطانوی طبی مجلے "نیو انگلینڈ جرنل" میں شائع رپورٹ میں کہا ہے کہ ان کی تحقیق کے نتائج سن یاس کو پہنچ جانے والی عورتوں کے حق میں یقیناً بہت منفی ہیں۔

اس مطالعہ میں عورتوں کو دو زمروں میں منقسم کیا گیا ایک میں وہ عورتیں تھیں جو ہارمونی ادویہ یا انجکشن استعمال کرچکی ہوں اور دوسرا گروہ ان عورتوں کا تھا جنہیں ان اشیاء سے واسطہ نہ پڑا ہو۔ نتائج کے موازنے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ نمونے کے لئے منتخب نرسوں میں 1935 ایسی تھیں جن میں پستان کے کینسر کے اثرات پائے گئے اور مدت تحقیق کے آخری پانچ سالوں کے دوران اسٹروجن کے ہارمون کا سہارا لینے والی نرسوں میں دوسرے زمرے کی عورتوں کے مقابلے میں کینسر سے اثر پذیری کا تناسب چھیالیس فیصد زیادہ تھا۔ یہی نہیں بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ عمر کے مراحل طے کرنے کے ساتھ ساتھ کینسر کے اثرات کے تناسب میں بتدریج اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس طرح یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ 55 سے 59 سال کی عورتیں اگر پانچ سال تک اسٹروجن ہارمون کا استعمال جاری رکھیں تو کینسر کا خطرہ 45 فیصد رہتا ہے جب کہ ساٹھ سے چونسٹھ سال کی عورتیں اگر ہارمونی علاج کا سہارا لیں تو کینسر سے متاثر ہونے کا خطرہ 71 فیصد ہوجاتا ہے۔

ہائیڈرو تھراپی یعنی گٹھیا کا کامیاب ترین طریقہ علاج

قدرت نے جن عناصر خمسہ سے انسانی جسم کی تشکیل کی ہے وہی مختلف صورتوں میں بے شمار امراض و عوارض سے ہمیشہ اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔ اس مشاہدے کی روشنی میں جدید سائنس نے اس قدرتی طریقہ علاج کی افادیت و اہمیت کا انکشاف کیا ہے جو ممکن ہے آج سے چند صدیوں قبل رائج رہا ہو اور ہمارے زمانے میں فرسودہ قرار دے دیا گیا ہو۔ اس طریقہ علاج نے اب پھر اپنی افادیت کو تسلیم کرالیا ہے اور نیچرو پیتھی کے مراکز مغرب میں تیزی سے وجود میں آرہے ہیں اور ہندوستان میں بھی آیورویدک طریقہ علاج کے ایک شعبے کی حیثیت سے اسے مقبولیت مل رہی ہے۔ نیچرو پیتھی کے بہت سے طریقوں میں سے ایک طریقہ پانی کے ذریعے گٹھیا اور جوڑوں کے درد کا علاج (ہائیڈرو تھراپی) ہے جو جوڑوں کے درد کو کم کرنے اور گٹھیا جیسے موذی مرض سے نجات پانے میں بہت مددگار ثابت ہوا ہے۔ بعض ممالک میں ساونا باتھ ہائیڈرو تھراپی کی ہی ایک شکل ہے۔

> نیچرو پیتھی کے بہت سے طریقوں میں سے ایک طریقہ پانی کے ذریعے گٹھیا اور جوڑوں کے درد کا علاج (ہائیڈرو تھراپی) ہے جو جوڑوں کے درد کو کم کرنے اور گٹھیا جیسے موذی مرض سے نجات پانے میں بہت مددگار ثابت ہوا ہے۔

ایک تحقیق کے مطابق دائمی گٹھیا میں مبتلا مریضوں کو جو مشقیں کرائی جاتی ہیں ان میں جسم پر پانی ڈالنے کی مشق کا طریقہ مفید ترین پایا گیا ہے۔ یونیورسٹی آف باتھ میں کی جانے والی ایک تحقیق کے دوران یہ معلوم ہوا کہ گٹھیا کے مریض کے جسم پر نیم گرم پانی کی دھار ڈالنے سے جوڑوں کی کمزوری میں خاصی کمی واقع ہوئی ہے۔ اور قابل غور پہلو یہ ہے کہ عورتوں میں افاقے کی شرح کہیں زیادہ پائی گئی اور وہ آسانی سے اپنے اعضاء کو حرکت دینے کے قابل ہوگئیں خاص طور سے گھٹنوں کو جنہیں کہ ناکارہ ہوجانے کا زیادہ اندیشہ رہتا ہے۔ مردوں کے مقابلے میں شفایابی کا تناسب عورتوں میں تین گنا ہے۔

آرتھرائٹس اینڈ ھیومیٹزم کونسل کے زیر اہتمام مرتب ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ہائیڈرو تھراپی کے دیگر یک ماہی کورسوں پر رکھے گئے مریضوں کا جب اس زمرے کے مریضوں سے موازنہ کیا گیا جنہیں ایک ماہ تک روزانہ متعینہ وقت کے لئے پانی کے اندر بٹھائے رکھا جاتا ہے تو یہ اندازہ ہوا کہ زیر علاج تمام مریضوں کو کسی قدر افاقہ ضرور ہوا تھا لیکن دوسروں کے مقابلے آخرالذکر زمرے کے مریضوں نے علاج کے اختتام پر اپنے جوڑوں کی کمزوری کو کافی حد تک رفع ہوتے ہوئے محسوس کیا۔ باتھ میں واقع جوڑوں کی بیماریوں کا رائل نیشنل ہاسپٹل تین سال تک اس موضوع پر تحقیق کرلینے کے بعد یہاں آنے والے مریضوں کو ہائیڈرو تھراپی تجویز کررہا ہے۔ واضح رہے کہ یہ مقام گرم پانی کے چشموں کے لئے معروف ہے جنہیں زمانہ قدیم سے دافع امراض تصور کیا جاتا رہا ہے۔

بقیہ: اسلام ہندوازم میں ضم ہو جائے

جدوجہد کو بھی وہ سمجھ نہیں سکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہبی اقلیتوں کو تاریخی حریف کی حیثیت سے مشتہر کرنے کا مقصد ہندوؤں کو متحد کرنا ہی نہیں بلکہ برہمنی نظام کی بحالی بھی ہے اور بغاوت کی آوازوں کو دباکر لوگوں کی توجہ کا رخ پھیرنا بھی ہے۔ ہندو فرقہ واریت کا نشانہ شودر، اچھوت اور آدی واسی ہیں مسلمان تو گھن کی طرح پس رہے ہیں۔

ہندو مسلم منشور کے بعض پہلوؤں پر زکریا صاحب کا نسخہ مضحکہ خیز طور پر وہی ہے جو سنگھ پریوار اور شیو سینا کا ہے۔ گویا کہ مسلمانوں کو اپنے قانونی یا روایتی مذہبی حقوق سے محض اس بنیاد پر دستبردار ہوجانا چاہئے کہ ہندوؤں کو ان پر اعتراض ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر مسلمان زکریا صاحب کے سبھی یا کسی ایک مشورے پر عمل کرتے ہوئے اکثریت کی خواہش کے مطابق راہ راست پر آجائیں اور انہیں مطمئن کرنے کا یک طرفہ طریقہ اختیار کرلیں تو کیا ہندوتو کی طاقتوں کو اتنے پر صبر آجائے گا۔ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ کیونکہ جب بھی مسلمانوں نے ہندوؤں کی خواہش کے آگے خود کو جھکایا ہے وہیں ان کے دس اور مطالبات سامنے آگئے ہیں۔ عفریت کا پیٹ کبھی نہیں بھرے گا اور مسلمانوں کی رواداری کے سارے مظاہرے کمزوری پر محمول کئے جائیں گے اور ایک دن وہ دیکھیں گے کہ وی ایچ پی اور سنگھ پریوار انہیں اس نوبت تک پہنچادیں گے کہ ان کی مذہبی اور تہذیبی فرقے کی حیثیت سے شناخت ہی ختم ہوجائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ بی جے پی کے شو بوائے عارف بیگ نے تین ت یعنی تجارت، تعلیم اور تنظیم کا منصوبہ پیش کیا تو اس میں تشخص کا کہیں نام نہیں لیا گیا۔

اس میں شک نہیں کہ زکریا صاحب نے مسلمانوں کی تعلیم و ترقی جیسے مسائل کو بھی موضوع گفتگو بنایا ہے لیکن کیا اقتصادی طور پر کمزور ملک میں کوئی فرقہ خود اپنے بل بوتے پر اجتماعی سطح پر تعلیم و ترقی کے منصوبے کی تکمیل کرسکتا ہے جبکہ ہر قدم پر حکومتی حمایت و کفالت درکار ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو امداد سے محروم کیوں رکھا جاتا ہے۔ اور کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہی مسلمان جو اپنی تعلیمی، اقتصادی اور سماجی پسماندگی کے باوجود ہندوتو کے حریف بنے ہوئے ہیں، ہندوتو کی طاقتیں پبلک لائف، تعلیم و تجارت میں یکساں مواقع دینے کے لئے انہیں گلے لگالیں گی؟ اور اس طرح انہیں اپنا پوری طرح حریف و مقابل بنانے پر تیار ہوجائیں گی۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا اور اسی لئے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ چونکہ فرقہ واریت بڑی حد تک جمہوری وسائل کے لئے مقابلہ آرائی کی پیداوار ہے اس لئے فرقہ وارانہ تناؤ گھٹنے کے بجائے بڑھتا ہی جائے گا۔

رفیق زکریا اور ہندوتو دونوں کی تان یہیں آکر ٹوٹتی ہے کہ اسلام ہندوازم میں ضم ہوجائے اور مسلمان ہندو سماج کا حصہ بن جائیں۔ لیکن مذہبی اقلیتیں اس پر آمادہ نہیں ہوں گی۔ اس کا متبادل یہ ہے کہ کثرت و اختلاف کو تسلیم کرتے ہوئے اور مختلف فرقوں کو ان کے جائز حقوق دیتے ہوئے ایک ریاست کی تشکیل کی جائے۔ جس میں سماجی و اقتصادی معاملات میں سب کے ساتھ انصاف ہوسکے۔ ایسی صورت میں مسلم ہندوستانی اقلیت کے خلاف صف آرا ہوکر یا فرقہ واریت کے مطالبات کی تکمیل سے نہیں بلکہ قومی تعمیر کے عمل میں اپنی شرکت اور جمہوری حرکت پذیری کو تیز رفتار بنانے کے بل بوتے پر اس ملک میں اپنے وجود کو باقی رکھ سکیں گے۔

نئی کتابیں

کیا رفیق زکریا چاہتے ہیں کہ ——

اسلام ہندوازم میں ضم ہو جائے اور مسلمان ہندو سماج کا حصہ بن جائے

ایودھیا مسئلے پر فسادات اور بمبئی کے دھماکے کی روشنی میں رفیق زکریا نے یہ خیال قائم کیا ہے کہ ہندو مسلم خلیج بڑھ گئی ہے اور مستقبل میں بڑھتی چلی جائیگی اور ملک و قوم کے امن و استحکام کے لئے خطرہ بنی رہیگی۔

یہ خطرہ ہندو مسلم اتحاد کے زوال کا نتیجہ ہے۔ دونوں فرقوں کو ایک دوسرے پر اعتماد نہیں رہ گیا اور اس پر ہندوتو کی لہر نے نا قابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ تاہم زکریا صاحب سرنگ کے دوسرے سرے پر جھلکتی مدھم سی روشنی سے امید لگائے ہوئے ہیں۔ اسی لئے ان کے نزدیک سب سے پہلے یہ کام کیا جانا چاہئے کہ باہمی غلط فہمیوں کا ازالہ کر کے ہندو مسلم تعلقات کی صحیح تصویر لوگوں کے سامنے پیش کی جائے اور ہندو حضرات کے دلوں میں مسلمانوں سے متعلق ہمدردی اور یگانگت کا احساس پیدا کیا جائے۔ اور اس اتحاد کو فروغ دینے کے لئے سازگار ماحول پیدا کرنا قومی اتحاد اور وقت کی اہم ضرورت بھی ہے۔

مسلم مخالف پروپیگنڈے میں ہندوتو نے جن باتوں کا سہارا لیا ہے ان میں مسلم حکمرانوں کے حملوں اور مظالم کی تشہیر اور اسلام کو بت شکن اور علیحدگی پسند کے حامی کے طور پر پیش کرنا ہے۔ اور نہیں کرتا اور تحریک پاکستان کے موضوع کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کرتا ہے۔

قیام پاکستان کے سلسلے میں زکریا صاحب

> ملی ٹائمز میں تبصرے کے لئے کتاب کے دو نسخے آنا لازمی ہیں۔ تبصرے کے لئے کتابوں کے انتخاب کا حتمی فیصلہ ادارہ کرے گا البتہ وصول ہونے والی کتابوں کا اندراج ان کالموں میں ضرور ہو گا۔ (ادارہ)

اسی لئے مصنف نے ہندوتو کو اس سارے ہنگامے میں ویلن قرار دیا ہے جو کسی سیکولر سماج کی مفاہمت پسندی، رواداری اور وجود باہم جیسی اقدار کو پسند ایسے لکھنے والوں سے متفق نظر آتے ہیں جو ہندوؤں کو بھی یکساں طور پر اس واقعہ کے لئے ذمہ دار سمجھتے ہیں۔ تاہم انہوں نے اسلام اور ہندوازم کے درمیان تصادم کے بنیادی نکتوں کی طرف محض اشارہ پر اکتفا کیا ہے۔ ان کا تجزیہ نہیں کیا۔ یہ بنیادی نکتے ہیں شناخت اور اختلاط کے۔ فی زمانہ اس تصادم کو اسلام کی اصل کی طرف مراجعت کی دعوت نے تیز تر کر دیا ہے۔ اسے اگر آپ چاہیں تو بنیاد پرستی کہہ لیں۔ اس چودھراہٹ پسندانہ زور زبردستی سے آزادی کے بعد سے ہندو ذہن کو تشویش لاحق ہونے لگی جسے ہزاروں سال کی غلامی کے بعد اقتدار نصیب ہوا تھا۔

زکریا صاحب نے تشخیص تو اچھی کی ہے لیکن معالجے میں کمزور ہیں۔ ملک کی مستقل اکثریت کے ناروا سلوک کی مذمت اور مستقل اقلیت کے مسائل اور ان کی حیثیت اور ہندو مسلم تعلقات کی تاریخ کے جائزے اور جمہوریت اور قانون و ضابطوں کو اکثریت کے ہاتھوں کا کھلونہ قرار دینے کے بعد جو نتیجہ خیز بات انہوں نے کہی ہے وہ یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ۔ مسلمان ہندوؤں کو بے اعتمادی سے نہ دیکھیں اور ہندو بھی مسلمانوں کے ساتھ عام زندگی میں ان کا جائز حصہ دیں۔ مسلمانوں کو وہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ حقیقت پسند بنیں، مل جل کر رہیں، اتحاد کے رشتے کو مضبوط کریں اور جو مل رہا ہے اس سے زیادہ کا مطالبہ نہ کریں۔

اس طرح ان کی کتاب "دی وائڈننگ ڈوائڈ" کا بنیادی تصوراتی جھول یہ ہے کہ وہ اسلام کی آمد سے اب تک ماضی حال اور مستقبل کو دو فرقوں کی صف آرائی کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ تاریخ پر شناخت و وحدت کے درمیان تصادم کی حیثیت سے بھی نظر کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ مسائل کا حل کثرت و اختلاف اور ثنویت کو تسلیم کرنے میں ہی

RAFIQ ZAKARIA
The Widening Divide

The Widening Divide
by Rafiq Zakaria
Viking. Rs 299

پنہاں ہے۔

ان کا اختیار کردہ مشینی انداز فکر نہ تو ماضی کی پوری طرح وضاحت کرتا ہے اور نہ ہی کسی قابل عمل مستقبل کا ہی راستہ دکھاتا ہے۔ سورنوں اور شودروں کے درمیان کشمکش اور ہندو سماج میں بالادستی کی

بقیہ صفحہ ۱۲ پر

آپ کی الجھنیں

چغل خور رشتوں میں دراڑ ڈال دیتے ہیں ان سے بچیں

> اگر آپ کسی الجھن میں بستلا ہیں یا کسی اہم مسئلے پر فیصلہ نہ لینے کی پوزیشن میں ہیں جس سے آپ کی زندگی کا سکون درہم برہم ہو گیا ہے تو آپ فوری طور پر ہمیں اپنے مسائل سے آگاہ کریں۔ ہم اس کالم میں آپ کی نفسیاتی الجھنوں کو دور کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔ (ادارہ)

سوال :— میری بیوی اور ماں کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہو گئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک بار میری ساس نے ماں کو بہت برا بھلا کہا۔ اس کے بعد سے ماں میری بیوی سے بغض رکھنے لگی ہے اور اس کے ہر عمل پر یہی شک کرتی ہے کہ اسے ایذا پہنچانے کے لئے کیا جارہا ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یا تو اس میں مجھے قصوروار ٹھہراتی ہے یا کہتی ہے کہ میری بیوی یعنی اس کی بہو دانستہ طور پر اسے ستانے کے لئے چالیں چلتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ میری بیوی نے ماں کی دیکھ بھال میں کمی کر دی ہے اور بھلائی کا سلسلہ اس خیال سے بند کر دیا ہے کہ ماں کا دل تو بھرا ہی ہوا ہے بھلی بات میں بھی کیڑے نکالے گی اور اس سے کشیدگی مزید بڑھے گی۔ دونوں کی اس کھینچا تانی میں میں ماں کی خوشنودی سے محروم ہوا جارہا ہوں وہ یہ سمجھتی ہے کہ میں بیوی کی انگلی کے اشارے پر ناچتا ہوں دوسری طرف یہ حال ہے کہ بیوی ماں کے تئیں میری فرماں برداری کو دیکھ کر یہ گمان کرتی ہے کہ میں اسے ایذا پہنچانے میں ماں کے ساتھ ملا ہوا ہوں۔ نوبت یہ آپہنچی ہے کہ میں اپنے معصوم بچوں کے ہمراہ اپنی ماں سے ملنے بھی نہیں جاسکتا کیونکہ ماں کے علاوہ میرا کوئی نہیں ہے جو میرے بچوں کو دیکھ کر خوش ہو بلکہ بیوی کے رشتہ داروں کو یہ کہتے ہوئے سنتا ہوں کہ فلاں بی بی کے بچے آگئے یعنی یہ کہ وہ دانستہ بچوں سے میری نسبت بھی منقطع کر رہے ہیں اور اس طرح دل میں چھپی ہوئی عداوت کا اظہار کرتے ہیں۔ اس مشکل کا کوئی حل تجویز فرمائیں۔

جواب :— خانگی مسائل و مشکلات کا بغور جائزہ لینے پر یہ بات سامنے آئی ہے کہ بیشتر مسائل کا سبب چغلی لگانے والے اور کانا پھوسی کرنے والے لوگ ہوتے ہیں جن کے تئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت نفرت کا اظہار فرمایا ہے کیونکہ یہی لوگ بنے بنائے رشتوں میں دراڑ ڈال دیتے ہیں۔ زیر نظر مسئلے میں سب سے بڑی مشکل یہی درپیش آئی ہے کہ سائل کی ساس کے منہ سے ادا ہونے والے الفاظ کی بنیاد پر کسی نے اس کی ماں سے آکر لگائی بجھائی کی۔ اگر اس طرح کی خبیث اور مفسد عادت پر اسلام کے موقف اور اس سے متعلق لوگوں کے عملی رجحان پر نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ دونوں میں کوئی مطابقت ہی نہیں ہے اور لوگ اللہ کے بتائے ہوئے موقف سے کوسوں دور ہیں۔ اسی بناء پر شیطان کا ان پر غلبہ ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ کے ذکر سے غافل ہو جاتے ہیں اور بغض و عداوت کے جذبات ان کے دلوں میں گھر کر لیتے ہیں۔ اللہ نے جو موقف اور طریقہ کار لوگوں کو بتایا ہے اس کے مطابق مفسد کلام کو نقل کرنے والا چغل خور اس کی نظروں میں سخت گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اس کی بات کو سچ سمجھنا درست نہیں بلکہ اسے اس گناہ کی طرف سے خبردار اور سرزنش کرنا چاہئے اسے یہ بتایا جائے کہ اس طرح وہ فاسقانہ عمل کا ارتکاب کر رہا ہے اور حتی کہ وہ توبہ نہ کر لے اس کی شہادت قبول نہیں کی جاسکتی۔ حق تو یہ ہے کہ چغل خور کے ساتھ ہمارا یہی برتاؤ ہونا چاہئے۔ لیکن افسوس کہ عملی زندگی میں ہوتا اس کے برعکس ہے۔ یعنی بیشتر افراد لگائی بجھائی کرنے والوں کی بات میں دلچسپی تو لیتے ہی ہیں اسے اپنا سچا ہمدرد اور بہی خواہ بھی سمجھ لیتے ہیں اور چغل خور کی کہی ہوئی بات کو فوقیت دے کر اللہ کے حکم کی تکذیب کرتے ہیں۔ اس طرح جھوٹی بات پر یقین کر کے آدمی نہ صرف یہ کہ اپنے پورے گھر کا سکھ چین حرام کر دیتا ہے بلکہ اپنے لئے بھی نت نئی مشکلیں پیدا کرتا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر سائل مذکور کی ماں کے دل میں اس کی بیوی کی طرف سے بغض پیدا ہوا اور ماں نے اس سے جو لڑائی کی اس کی بنیاد جو چیز بنی وہ تھیں بعض باتیں جو چغلی کرنے والوں نے بیوی کی ماں کی طرف منسوب کیں حالانکہ ممکن ہے اس کا کوئی قصور نہ رہا ہو اور اس سے جو بات نقل کی گئی اسی میں کوئی جھول یا خرابی دوران ترسیل واقع ہو گئی ہو۔ یہ طریقہ جاہلیت کی دین ہے جس کی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ممانعت فرمائی ہے۔

اس معاملے میں ایک اور غلطی بھی ہوئی ہے وہ ہے لوگوں کے فعل و عمل کی تفہیم میں سوء ظن کو درمیان میں لانا۔ یہ اس بات سے ظاہر ہے کہ شکایت کنندہ کی ماں نے اپنی یہ عام عادت بنالی کہ اپنی بہو کے ہر عمل کو شک کی نگاہ سے دیکھنے اور اپنی ایذا رسانی پر محمول کرنے لگی۔ سوء ظن انسانوں کے درمیان سب سے زیادہ فساد برپا کرتا ہے۔ جو اس مرض میں مبتلا ہوا وہ دنیا کو سیاہ عینک سے دیکھنے لگتا ہے اور اپنے ملنے جلنے والوں کے ہر عمل پر اسے یہی گمان ہوتا ہے کہ وہ اس کو ایذا پہنچانے کی کوئی نئی تدبیر ڈھونڈھ رہے ہیں اور اس سے ناجائز طور پر کوئی فائدہ حاصل کرنے کی تاک میں لگے ہوئے ہیں۔

اسی لئے ایمان والوں کو قرآن کریم میں باری تعالی کی طرف سے ان الفاظ میں خبردار کیا گیا ہے کہ

واجتنبو کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم

اس لئے سائل کو یہی مشورہ دیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی ماں اور بیوی کے درمیان صلح کرانے کی ہر ممکن کوشش کریں جس کے لئے مندرجہ ذیل باتوں کا سہارا لیا جاسکتا ہے۔

(1) خاندان کے نیک اور صالح لوگوں کی مدد حاصل کریں کہ وہ ماں کو یہ باور کرائیں کہ لڑائی بھڑائی سے کہیں بہتر ہے عفو و درگزر اور باہم مل جل کر رہنا۔

(2) بیوی کو یہ سمجھانا کہ وہ ماں کو صلح پر راضی کرنے کی سمت میں پیش رفت کرے کیونکہ بیوی کی طرف سے ماں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ بھی شوہر پر بیٹے کے لئے باعث سعادت ہے۔

(3) اس کا خیال رکھا جائے کہ ماں کے پاس ایسے لوگوں کو اٹھنے بیٹھنے نہ دیا جائے جو ادھر کی بات ادھر لگاتے ہوں جس سے کہ ان کے مزاج میں گرانی پیدا ہو بلکہ کوشش یہ ہو کہ ماں کی عادات اطوار کی تعریف کی جائے اور ان کے لئے دعا خیر کی جائے۔

> اس کا خیال رکھا جائے کہ ماں کے پاس ایسے لوگوں کو اٹھنے بیٹھنے نہ دیا جائے جو ادھر کی بات ادھر لگاتے ہوں جس سے کے ان کے مزاج میں گرانی پیدا ہو بلکہ کوشش یہ ہو کہ ماں کی عادات واطوار کی تعریف کی جائے اور ان کے لئے دعا خیر کی جائے۔

Invitation Price Rs. 4/-
16 - 30 September 1995

The Milli Times International

R.N.I. No. 57337/94
RGD. DL No.-11234/95

49, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025 Phone:6827018

انتہائی ناسازگار حالات میں، عالمی کفر کی زبردست مخالفت کے باوجود، چند ہزار بوسنیائی مسلمانوں پر مشتمل، زخموں سے چور فاقوں پر مجبور یہ قافلہ، کوئی اور قافلہ نہیں بلکہ یوروپ کے عین قلب میں اسلام کی شمع کو جلائے رکھنے والے ان آرزومندوں کا قافلہ ہے جو گذشتہ چار سال سے عالمی کفر سے برسرپیکار ہیں۔ ان چار سالوں میں ان بے چاروں پر کیا کچھ نہیں گزری۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق کوئی تین لاکھ سے زائد بوسنیائی مسلمان اب تک شہید ہو چکے ہیں۔ راجدھانی سراجیو گذشتہ تین برسوں سے مسلسل دشمنوں کے محاصرے میں ہے۔ معصوم بچوں کا شکار اور پاک دامن عورتوں کی عصمت دری کا کون سا ایسا منظر ہوگا جسے بوسنیا کی سرزمین نے نہ دیکھا ہوگا۔ کوئی ستر ہزار مسلم خواتین سرب عقوبت گاہوں میں اپنی آبرو لٹ جانے کے بعد اپنے رحم میں سرب بچوں کی پرورش پر مجبور ہیں۔ لیکن وائے افسوس! کہ تذلیل کے ان مظاہروں کے باوجود دنیا بھر میں بسنے والے ایک اعشاریہ تین بلین مسلمانوں کی حمیت ایمانی بیدار نہیں ہوتی۔ ساری دنیا میں مسلم گھروں میں روز و شب اس انداز سے جاری رہتے ہیں گویا کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

ہاں بوسنیا میں اسلام کی شمع کو روشن رکھنے میں اگر کسی کا حصہ ہے تو وہ فدائیان اسلام ہیں، جو اپنے جمے جمائے کاروبار کو لات مار کر، ہنستے مسکراتے بال بچوں کو چھوڑ کر آسودہ حال بنگلوں اور آرام دہ کاروں کو خیرباد کہہ کر اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے اور یوروپ میں اسلام کی شمع کو ہر قیمت پر منور رکھنے کے لئے گزشتہ تین سالوں میں پوری دنیا سے وقتاً فوقتاً بوسنیا پہنچتے رہے ہیں۔ ان میں مختلف ملکوں، نسلوں اور رنگوں کے لوگ شامل ہیں۔ عورتیں بھی ہیں اور مرد بھی، البتہ جذبہ وہی ہے یعنی اپنا خون دے کر اسلام کو زندگی عطا کرنا۔

کسے معلوم تھا کہ خدا کے آخری رسولؐ کی امت بیسویں صدی کی آخری دہائی میں اس ضعف کا شکار ہو جائے گی کہ کافر و مشرک قوتیں اس پر دسترخوان کی طرح ٹوٹ پڑیں گی۔ اے خدا کے رسولؐ —— قربان ہوں آپ پر میرے ماں باپ۔ کہ آپ نے ایک ایسے ہی زمانے کی پیشین گوئی کی تھی تب آپ نے فرمایا تھا کہ تم تعداد میں تو بہت ہوگے لیکن تمہارے دلوں کو وہن یعنی دنیا کی محبت لگ چکی ہوگی سچ فرمایا آپ نے اے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہ آج ہم اسی صورت حال سے دوچار ہیں۔

لیکن آپ نے تو یہ بھی کہا تھا کہ میرے بعد جب تک تم اللہ کی کتاب اور میری سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے گمراہی میں نہیں پڑو گے۔ پھر آخر ایسا کیوں ہے؟ کہ جو لوگ خدا کی کتاب اور آپ کی سنت کے علم کے دعویدار ہیں ان کے دلوں میں دنیا کی محبت نے ایسا اڈہ جمایا ہے کہ بوسنیا کے مسلمانوں کی مدد کے لئے ان کے مسکنوں اور ان چہار دیواریوں سے آوازیں بلند نہیں ہوتیں جہاں قال اللہ قال الرسول کا ہنگامہ ہے۔

کتنی بدل گئی ہے تیری تعلیمات کی تعبیر — اے خدا کے رسولؐ —— ان کے ہاتھوں جو خود کو بزعم خود تیرا نائب سمجھتے ہیں اور وہ بھی جو اپنا شمار تیرے عاشقوں میں کروانے سے باز نہیں آتے۔ ایک ایسے وقت میں جب امت اسلامیہ بدترین ضعف کا شکار ہے۔ جب پوری دنیا میں مسلمانوں کا خون ارزاں ہو گیا ہے۔ یہ تیرے نام نہاد عاشقان اور نائبین اللہ کے کلمے کی سربلندی کے لئے کیوں نہیں اٹھ کھڑے ہوتے؟۔

اپنی امت کو ضعف کے اس عالم میں دیکھ کر آپ پر کیا کچھ نہ گزرتی ہوگی لیکن اے خدا کے رسولؐ آپ کی نیابت کا دم بھرنے والوں کے چہروں پر سرور اور شادابی کا مظاہرہ عام ہے۔ ان کی روزمرہ کی زندگی بڑے آرام سے گزرتی ہے۔ بوسنیا کی سرزمین پر جب تیرے نام لیواؤں پر موت کی بارش ہوتی ہے۔ جب خاک و خون میں ان کے نونہال لت پت ہوتے ہیں اور جب ان کے سپاہیوں کو کھانے میں نرم گھاس اور درخت کے پتے بھی نہیں ملتے اسی دوران یہ نام نہاد عاشقان اسلام آرام دہ کمروں میں مرغ و بریانی کی لذت سے آشنا رہتے ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اے خدا کے رسولؐ —— ان لوگوں نے اپنے اردگرد ایک جھوٹے تقدس کا ہالہ بھی کھینچ رکھا ہے۔ جس میں معصوم عوام گرفتار ہیں۔ سادہ لوح مسلمانوں نے ان بہروپیوں کے رنگ ڈھنگ کو ہی صحیح اسلام سمجھ رکھا ہے۔ اے خدا کے رسولؐ —— تیری عظیم انقلابی تعلیمات اور تیرے مقدس اسوہ کو ان مکاروں کے عمل سے کیا نسبت؟۔

ہمیں شرمندگی ہے اے خدا کے رسولؐ —— کہ تیرے دین کے نام لیواؤں نے تیری انقلابی تعلیمات کو کچھ اس طرح مسخ کر دیا ہے کہ اب اس سے کافروں کے دل نہیں دہلتے بلکہ پوری دنیا میں مسلمان نوالہ تر بنتے جا رہے ہیں۔ بہت برا وقت آپڑا ہے اے خدا کے رسولؐ —— تیری امت پر۔ پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ تیری محبت میں سرشار مٹھی بھر فدائیان اسلام کا قافلہ بوسنیا کی پتھریلی وادیوں میں امت کی بقا کی جنگ لڑتے لڑتے اب تھک چکا ہے۔ بالخصوص ایک ایسی صورت حال میں جب شہر کے شہر اس کے قبضہ سے نکلتے جا رہے ہیں اور جب ایسا لگتا ہے کہ یوروپ کے عین قلب میں اسلام کی شمع گل ہونے کو ہے تو اس سنگین صورت حال میں آپ کی محبت میں سرشار یہ چھوٹا سا قافلہ اس دعاء کا محتاج ہے جو آپ نے اصحاب بدر کے لئے کی تھی کہ "اے اللہ اگر آج یہ مٹھی بھر لوگ ہلاک ہو گئے تو قیامت تک اس سرزمین پر تیرا نام لینے والا کوئی نہ ہوگا"۔

بار الٰہا! اپنے رسول کی اس التجا کو بوسنیا کے تناظر میں قبول فرما۔ آمین!